حیدرآباد کے

ادبی رتن

ان سے روشن محفل شعر و سخن

پانچ پشتوں کی ادبی اور تہذیبی خدمات کا جائزہ

اور

"تحقیقات سیاق باقی"

(علم مثلث علم ہندسہ اور ریاضی کے گُر)

مصنفہ۔ راجہ گردھاری پرشاد باقی

المعروف بہ

بنسی راجہ

HYDRABAD KE

ADABI RATAN

BY

Dr. BHASKER RAJ SAKSENA

TAHKHIKHAT-E- SAYEAQUE BAQI

BY

RAJA GIRDHARI PERSHAD BAQI

اشاعت اول : DECEMBER, 2000

تعداد : 500

کمپیوٹر کمپوزنگ : آفرین بیگم (اسپیڈ پرنٹس)

طباعت : اسپیڈ پرنٹس سعید آباد، حیدر آباد 500059

قیمت : Rs. 150 بیرون ممالک (4 ڈالر)

ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر سوماجی گوڑہ حیدر آباد -۴

* حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدر آباد -۲

ادارہ شگوفہ 31 بیچلرز کوارٹرز حیدر آباد -۱

* مصنف :- آنند نیلم 3-6-69/B/4

اونتی نگر، حیدر آباد -500029

فون نمبر : 3220414

3-6-69/B/4 Anand Neelam Avanti Nagar Hyderabad 500029

انتساب

محب وطن پنڈت نریندر جی و پنڈت راگھویندر راؤ جذب عالم پوری

کیساتھ

ان تمام محب وطن شاعروں اور ادیبوں کے نام جو
بھارت ماتا کی شان میں لکھے ہیں

شجرہ

حیدرآباد کے ادبی رتن

رائے سوامی پرشاد اصغر

(وفات ۱۸۲۳ء)

↓

رائے نرہری پرشاد نرہری

(۱۸۰۸ء تا ۱۸۸۲ء)

↓

راجہ گردھاری پرشاد باقی

المعروف بہ بنسی راجہ

(جولائی ۱۸۲۸ء تا جولائی ۱۸۹۶ء)

↓

راجہ کیشو پرشاد حساب	راجہ نرسنگ راج عالی	محبوب راج محبوب
(۱۸۶۳ء تا ۱۸۸۸ء)	(جون ۱۸۸۹ء تا ۱۹۵۷ء نومبر)	(۱۸۹۳ء تا ۱۹۳۰ء)

↓

رائے نرہرراج ساقی

(جنوری ۱۹۰۸ء تا نومبر ۱۹۸۵ء)

جوش ان میں جو تھا اس جوش کا اب دور نہیں
یہ ہیں پشتینی ادب دوست ، کوئی اور نہیں

فہرست

تحقیقات سیاق باقیؔ

راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ

حرفِ چند — کالی داس گپتا رضا (ممبی)

تاریخ کیف و مستی سے بریں ایک آئینہ خانہ ہے جس کے اندر زرا سا جھانکنے سے سینکڑوں برسوں کے کردار جیتی جاگتی شکلوں میں ہمارے سامنے آموجود ہوتے ہیں ان کے وہ کام بھی آشکار ہوجاتے ہیں جنھیں مورخوں نے اختصار کی حیثیت سے اپنی تحریروں میں ریکارڈ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

حیدرآباد کے ایک کایستھ گھرانے کا قصہ کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ اپنے آقا نظام حیدرآباد کے خیر خواہ اور خدمت گزار تھے۔ اس گھرانے نے یکے بعد دیگرے ایسے ایسے دانشور پیدا کیے کہ انھیں باقاعدہ ہماری ادبی تاریخ میں جگہ ملنی چاہیے تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ کام حیدرآباد کے کایستھ گھرانے کے ایک ذی ہوش فرد ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ کے حصے میں آیا۔ انھوں نے بڑی محنت سے رائے سوامی پرشاد اصغر (وفات ۱۸۲۳ء) سے رائے نرہر راج ساقی (وفات ۱۹۸۵ء) تک پانچ پشتوں کی ادبی خدمات کا تذکرہ زیرِ نظر کتاب "حیدرآباد کے ادبی رتن" میں کیا ہے۔ ۱۸۸۴ء میں اردو زبان حیدرآباد کی سرکاری زبان قرار پائی تھی۔ گویا اس زمانے سے پیشتر رائے سوامی پرشاد اصغر اور پھر ان کے بعد دریائے اردو ادب میں غوطہ زنی شروع کردی تھی۔ دو صدیوں کا سفر "آناً" "فاناً" میں طے نہیں ہوجاتا۔ رائے سوامی پرشاد اصغر کے بعد جو سلسلہ چلا ہے تو رائے نرہری پرشاد نرہری۔ راجہ گردھاری پرشاد باقی۔ راجہ کیشو پرشاد حساب۔ راجہ نرسنگ راج عالی۔ راجہ محبوب راج محبوب۔ رائے نرہر راج ساقی پر ختم ہوا۔

ان سب برگزیدہ ہستیوں کا ذکر ان کے مختصر کلام کیساتھ اس کتاب میں موجود ہے۔ یہہ منتخب کلام نہیں بلکہ جو کلام دستیاب ہوا اسے کتاب میں شامل کردیا گیا ہے اصغر کی زبان اردو سے زیادہ دکنی ہے جیسے مرثیے کا یہہ شعر

جب چڑھے لڑنے کوں قاسم تب کہے رو رو دہن
اے نجومی سانچ کہہ تا کس وقت پر لاگے لگن

"نرہری بیشتر ہندی میں کہتے ہیں۔ ان کا ایک دوہا حیدرآباد (بھاگیہ نگر) اور فرماں رواں

حیدر آباد کے لیئے بڑا معنی خیز ہے۔

بھاگیہ نگر بڑبھاگی اتی نام ہے حیدر آباد
آصف کی سرکار جو رہے سدا آباد

راجہ گردھاری پرشاد باقی المعروف بہ بنسی راجہ غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔
ان سے اس خاندان میں اردو کا صحیح چلن ہوا جیسے

مدم کو جاتا ہوں پھر مستقل رہوں گا وہاں
یہاں سے منتقلی کا جو روبکار آیا (باقی)

ایک دیوانہ تھا جو آپ کے گھر سے نکلا
کچھ خبر بھی ہے کہ تھا کون کدھر سے نکلا (عالی)

ہر ایک چیز اسی کے ہے نور سے روشن
غلط ہے قول کہ ذرہ میں آفتاب نہ تھا (محبوب)

رہ رہ کے بس خیال اسی کا بندھا رہا
آ آ کے یاد ہر گھڑی مجھ کو رُلا گئی (ساقی)

ان سب کا تذکرہ اس کتاب میں تفصیل سے درج ہے۔ اس کے علاوہ ایک معرکے کی چیز جو اس کتاب میں شامل ہے وہ ہے جسے "تحقیقات سیاق باقی" کا نام دیا گیا ہے۔ یہہ بنسی راجہ باقی کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف ہے۔ جس کا علم مثلث، علم ہندسہ، اور ریاضی کے گُر جیسے مباحث شامل ہیں۔ اس مخطوطے کے چند اہم موضوعات کو شامل کتاب کرلیا گیا ہے۔ مگر کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے ظاہر ھیکہ باقی کو دوسری اصناف کے علاوہ ان علوم سے بھی گہری وابستگی تھی۔ میرے خیال میں "تحقیقات سیاق باقی" کو الگ کتاب کی شکل میں بھی چھاپا جانا چاہیے۔ الگ سے اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

میں نے یہہ مختصر تحریر ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ کے اصرار پر لکھ دی ہے۔ ورنہ حق یہہ ھیکہ ڈاکٹر بھاسکر راج نے کتاب کو واضح اور مکمل کرنے میں ممکنہ حد تک سعی کی ہے مجھے یقین ھیکہ یہہ کتاب جو "حیدر آباد کے ادبی رتن" کے موزوں نام سے مرتب ہے حیدر آباد کی علمی ادبی تاریخ کی تکمیل میں خاطر خواہ معاون ہوگی۔

کالی داس گپتا رضا (ممبی)

تعارف

ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ نے پانچ برس قبل اپنے پر دادا راجہ گردھاری پرشاد باقی کی حیات اور کارناموں پر نہایت تحقیق اور جستجو کے ساتھ ایک کتاب "حیدرآباد کے بنسی راجہ" کے نام سے مرتب کرکے شائع کی تھی۔

راجہ گردھاری پرشاد باقی ریاست حیدرآباد کے امراءِ عظام میں سے تھے۔ سرسالارجنگ اول فوجِ باقاعدہ و بے قاعدہ کے صدر سررشتہ دار کی خدمت پر فائز کیا۔ وہ نواب میر محبوب علی خاں کے اتالیق تھے اور مشرف باروچی خانہ و خانساماں کی موروثی خدمت پر بھی فائز تھے۔ اس طرح انھیں آصف جاہ سادس کا قرب حاصل تھا۔ راجہ گردھاری پرشاد فوجی امور کے بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے اسلحہ کا ایک بڑا عصری کارخانہ بنایا تھا جہاں توپیں ڈھالی جاتی تھیں اور بندوقیں بنائی جاتی تھیں۔ انھوں نے بارود کا کارخانہ بھی بنایا تھا۔ اس کے علاوہ ریاست کی صنعتی ترقی میں بھی ان کا اہم حصہ رہا ہے۔ انھوں نے چرم (چمڑے) اور کاغذ کے کارخانے قائم کیے۔ ان کے علاوہ پہلی بار مشن سے سلوائی کے کارخانے کی بنا ڈالی۔

راجہ گردھاری پرشاد باقی کو اردو کے علاوہ فارسی، سنسکرت اور ہندی پر قدرت حاصل تھی اردو کے علاوہ فارسی اور ہندی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اردو میں انھیں حضرت شمس الدین فیض سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ وہ ایک اچھے نثرنگار بھی تھے۔ اردو، فارسی نثر میں ان کی کئی تصانیف ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کے پانچ سال بعد ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ نے ایک اور اہم کام کا بیڑہ اٹھایا۔ راجہ گردھاری پرشاد باقی کا سارا خانداں علم و فن کے زیور سے آراستہ تھا۔ ان کے اسلاف و اخلاف میں چند اچھے شاعر اور ادیب پیدا ہوئے جن میں رائے سوامی پرشاد اصغر، رائے نرہری پرشاد نرہری، راجہ کیشو پرشاد حساب، راجہ نرسنگ راج عالی، رائے محبوب راج محبوب اور رائے نرہر راج ساقی، کی شاعری اور

علمی ادبی خدمات پر اس کتاب میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

راجہ گردھاری پرشاد علم ریاضی کے ماہر تھے۔ اپنی کتاب تحقیقات سیاقِ باقی میں انھوں نے علم ریاضی کی مدد سے روز مرہ زندگی میں کام آنے والے بعض آسان طریقے (گر) اس کتاب میں مرتب کر کے پیش کیے جیسے قرض لیتے وقت سود کی شرح کے لحاظ سے سود کی رقم معلوم کرنا، دیوار کی لمبائی کا تخمینہ کرنے کا گر یا طریقے وغیرہ اس کے علاوہ انھوں نے ہجری اور عیسوی سال کی دوامی جنتری بھی ترتیب دی۔ مخطوطے کی تحریر پرانے انداز کی ہے جس کی قرات آسان نہیں تھی۔ ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ نے بڑی کاوش سے اسے مرتب کیا اور اپنی تالیف کے دوسرے حصے میں اس کتاب کے چند اہم مضامین کو شامل کر دیا ہے۔

یہ نہایت خوش آئند بات ہے کہ حیدرآباد میں کائستھ طبقہ اردو کو ابھی تک سینے سے لگائے ہوئے ہے جس سے اس گم راہ کن خیال کی تردید ہوتی ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ کائستھ طبقے کے بہت سے افراد علم و ادب سے شغف رکھتے ہیں۔ انھیں میں ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ بھی ہیں۔ امید ہے "حیدرآباد کے ادبی رتن و تحقیقات سیاقِ باقی" کی اشاعت کے بعد وہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ ضرورت ہے کہ دیگر کائستھ خانوادوں سے تعلق رکھنے والے اور موجودہ دور کے عالموں، ادیبوں اور شاعروں کے کارناموں سے اردو دنیا کو روشناس کرایا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ کی تازہ تالیف "حیدرآباد کے ادبی رتن و تحقیقات سیاقِ باقی" کی ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پزیرائی ہوگی۔

6_3_659/2 سوماجی گوڑہ،
حیدرآباد _500082
۸ دسمبر ۲۰۰۰ء

مغنی تبسم
معتمد ادارہ ادبیات اردو

عرض مرتب

۱۷۲۴ء میں نواب قمرالدین خاں کو مغل بادشاہ محمد شاہ نے دکن کا صوبہ دار مقرر کیا تھا جو بعد میں نظام الملک آصف جاہ اول کہلائے۔ انہوں نے دہلی سے اورنگ آباد کے لیئے کوچ کیا تو وہ بہت سے تجربہ کار اور قابل اعتماد عہدہ داروں کو اپنے ساتھ دکن لیتے آئے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے شہر حیدرآباد کو مستقل طور پر اپنا وطن بنالیا چونکہ حیدرآباد نظام سرکار کی راجدھانی بن گئی تھی۔

ان ہی چند شخصیتوں میں سے تھے دولت رائے جو دہلی کے کایستھ گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ دولت رائے نظام کی فوج میں کمانڈر تھے انہوں نے جگتیاں ضلع کریم نگر کا قلعہ اور علاقہ نظام کیلیئے فتح کیا تھا۔

دولت رائے کے دو فرزند تھے۔ نرسنگ بھان اور راجا رام۔ ۱۷۸۹ء میں نرسنگ بھان جنگ پنگل میں نظام آصف جاہ ثانی کیساتھ میدان جنگ میں شانہ بہ شانہ لڑتے ہوئے ویرگتی کو پراپت ہوئے۔

راجا رام قابل، ذہین اور منتظم تھے ہی ساتھ ہی ساتھ فارسی اور ہندی کے عالم بھی تھے۔ انھوں نے ہندی کویتا میں چترگپت جی مہاراج کا چرتر لکھا ہے۔ راجا رام کے بعد جو ادبی خدمت کا سلسلہ پشتینی شروع ہوا اس کا ذکر قارئین کی نذر ہے۔

وزیر اعظم مہاراجہ چندو لال شاداں کی وزارت اعظمی کا دور حیدرآباد کی ادبی، سماجی، اور سیاسی ماحول کا ایک نمایاں باب تھا۔ اس دور میں شاعروں اور ادیبوں کی قدر اور احترام کی وجہ سے بہت سے شاعر، ان کے ایوان سے وابستہ تھے اور تقریباً ۲۰۰ شاعراں وقت کو مالی امداد کم از کم ایک سو روپیہ سے Rs. 1000 ایک ہزار روپیہ تک دی جاتی تھی۔

شاداں اردو اور فارسی شعراء کے قدر دان تھے پھر نواب سالار جنگ اول کا دور بھی سازگار رہا۔ اور اس دور میں جب روز نامہ مشیر دکن (جسکے اڈیٹر کشن راو تھے) نے فارسی کو ایک غیر ملکی زبان بتلاتے ہوئے۔ اردو کی حمایت میں لگاتار اور متواتر اپنے اداریوں کے ذریعے ایک

مہم شروع کردی تو اردو ۱۸۸۴ء میں حکومت حیدر آباد کی سرکاری زبان قرار پائی ۔ پھر مہاراجہ کشن پرشاد کا ایوان شادؔ شاعروں کے لیئے ساز گار رہا۔

ایسے ماحول میں حیدر آباد کے ایک کایستھ خاندان کی اردو دوستی کا سلسلہ شروع ہوا جو پانچ پشتوں تک نہ صرف اردو اور فارسی بلکہ اپنی مادری زبان ہندی میں بھی ادب کی بے لوث خدمت کیلئے جاری رہا۔ قارئین کو اس خاندان کی پانچ پشتوں نے جو ادبی خدمت کی تھی اور جو ادبی زندگی اپنائی تھی اسے زیر نظر پیش کش کے ذریعے روشناس کرانا مقصود ہے۔

یوں تو قدیم حیدر آباد کے احباب حضرت باقیؔ اور عالیؔ سے اور جدید نسل ساقیؔ سے بہت حد تک واقف ہے لیکن شائد ہی چند دانشور ہوں گے جنھیں یہہ معلوم ہے کہ ان پر خلوص ادب نواز شخصیتوں نے گیسوئے اردو کے پیچ و خم سنوارے تھے۔ اردو ادب سے اس خاندان کا بہت گہرا اور دلچسپ رشتہ رہا۔ اس کا سلسلہ سوامی پرشاد اصغرؔ (۱۸۱۳ء) سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا علم مجھے تب ہوا جب میرے محترم بزرگ کالی داس گپتا رضاؔ نے ممبئی میں اپنی تصنیف "سہو و سراغ" عنایت کی۔ یہ سلسلہ نرہر راج ساقیؔ کی وفات ۱۹۸۵ء تک چلتا رہا۔

ڈاکٹر زورؔ نے اس خاندان کے بارے میں لکھا ہے۔

"اس خاندان میں شعر و سخن کا چسکہ بطور وارثت چلا آرہا ہے راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ عرف بنسی راجہ شاگرد خاص تھے حضرت استاد کل حافظ میر شمس الدین فیضؔ کے اور نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور ہندی میں بھی صاحب دیوان تھے اور اپنے استاد کی طرح شاعری کے ساتھ ساتھ علم و فضل سے دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ کئی کتابیں اپنی یاد گار چھوڑی ہیں جن کا تذکرہ داستان ادب حیدر آباد میں اجمال کے ساتھ کیا ہے۔

اسی طرح ان کے فرزند راجہ نرسنگ راج عالیؔ اور ان کے چھوٹے بھائی راجہ محبوب راج محبوبؔ بھی اچھے شاعر ہیں۔ خاص کر عالیؔ تو اس وقت حیدر آباد کے پختہ مشق شعراء میں شمار ہوتے ہیں اور اپنے والد بنسی راجہ کی طرح شاعروں اور ادیبوں کے سرپرست اور قدر دان بھی ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کی یاد میں وہ ہر سال اس سلیقہ اور شان سے مشاعرہ منعقد کرتے ہیں کہ اس شہر کے قدیم تاریخی مشاعروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔"

جب ڈاکٹر زور نے مندرجہ بالا سطور لکھی تھیں ۔ شائد وہ سوامی پرشاد اصغر کی ادبی خدمات سے واقف نہ تھے اور وہ اپنے ہم جماعت رائے نرہر راج ساقی فرزند راجہ نرسنگ راج عالی کو بھی بالکل بھول گئے تھے ۔

بڑے آدمی پیدا ہوتے ہیں مرتے نہیں بلکہ مرنے کے بعد وہ اور بھی شان سے جیتے ہیں ۔ ان کے ادبی کارنامے انھیں زندہ جاوید بنا دیتے ہیں ۔ ایسی چند ہستیوں کا ذکر اس پیشکش کے ذریعے آپ کی نذر ہے اس لیے کہ ان بزرگوں میں چند خصوصیات مشترک تھیں ۔ جو نمائش اور ناموری کی طالب نہ تھیں ۔

سوامی پرشاد اصغر کا دیوان ۱۸۱۳ء میں مرتب ہوچکا تھا ۔ لیکن طبع نہیں ہوا تھا ۔ اس کا قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری میں ہے ۔ اس کا ذکر کالی داس رضا گپتا اپنی تصنیف "سہو و سراغ" میں (۱۹۸۰ء) کیا ہے ۔

باقی دیوان اردو کو چھپوانے میں ٹال مٹول کرتے رہے تو دوار کا پرشاد افق لکھنوی نے اس دیوان کو اپنی نگرانی میں لکھنو پریس سے ۱۸۹۰ء میں بقائے باقی کے نام سے چھپوایا تھا مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے دیوان باغ شاد میں تاریخ وفات کیشو پرشاد حساب ملتی ہے ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کیشو پرشاد بھی شاعر تھے ۔ کیشو پرشاد باقی کے فرزند اکبر تھے ۔

راجہ نرسنگ راج عالی صاحب دیوان شاعر تھے لیکن دیوان چھپوانے کی طرف کبھی توجہ نہ کی اور وہ آج تک طبع نہیں ہوا ہے ان سب کی شاعری فرضی معشوق اور خیالی مطلوب کے پیچھے سرگرداں نہیں ہے ۔ انھوں نے تصورات کی دنیا میں ہوائی قلعے نہیں بنائے ۔

یہ کلام ہجر و وصال کے قصوں سے بہت حد تک پاک ہے ۔

بلند پروازی، معرفت، نازک مسائل اور سادہ زبان برجستہ محاورات کا استعمال ان کی شاعری کے جز ہیں ۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہہ سب

آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفان کے

وہ اپنے کلام کو گل و بلبل، عشق و محبوب کے محدود دائیرے میں نہیں رکھتے ۔ بلکہ اپنے ماحول، زمانہ اور سماجی حالات سے متاثر ہوکر اپنے انداز میں اشعار پیش کرتے ہیں ۔

یہہ سب ایسی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے کہ ہر ذوق کا انسان ان سے بہرہ ور ہوسکتا تھا۔ اور ان سے ملنے کا خواہاں بھی،

ذوق سخن شائستگی اور کمال فن ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

یہہ تو مسلمہ امر ھیکہ اردو شاعری کی سب سے زیادہ مقبول صنف غزل ہے ۔ شائد اسی کے مدنظر ان سب ہی بزرگوں نے اس میں زور طبع دکھایا ہے ۔ شائد اس وجہہ سے بھی کہ غزل کا دائیرہ محدود نہیں ہے بلکہ فلسفہ تصوف اخلاقی مضامین اور سیاسی موضوعات بھی اس میں شامل کیے جاتے ہیں جس کا انھوں نے بہت خوب استعمال کیا ہے اور انسانی جذبات کی بعض کیفیات اور جذبات کو موثر انداز میں بیان کیا ہے ۔

آپ خاص طور پر غور کریں کہ ان سب کی زبان سادگی سے بھرپور، انداز بیان صاف لطافت کیساتھ اپنے میں ایک انفرادیت سموئے ہوئے ہے ۔

خاص طور سے انسانی زندگی کے غیر یقینی ہونے اور سب کچھ چھوڑ جانے کیطرف ان سب نے بہت ہی پرزور انداز میں لکھا ہے ۔

اجل

سوامی پرشاد اصغر: سب آکے مسافر گئے اس فانی سرا سے ۔۔۔ اس جاے میں ہرگز نہ کیا ٹھکانہ کسی نے

نرہری پرشاد نرہری: جیون نمکت وہی جگ ماہیں ۔۔۔ رہے ابھیے مرتیو بھیے ناہیں

گردھاری پرشاد باقی: کب تک اس موت سے ڈرنا باقی ۔۔۔ منغض مہسل کی فکر کرنا باقی
چھوڑا نہ اجل نے جب کسی کو تو پھر ۔۔۔ اس جینے پہ اس قدر نہ مرنا باقی

عدم کو جاتا ہوں پھر مستقل رہوں گا وہاں ۔۔۔ یہاں سے منتقلی کا جو روبکار آیا
عجب جگہہ ہے وہ ملک عدم بھی اے باقی ۔۔۔ ادھر گیا سو ادھر پھر نظر نہ وہ آیا

راجہ نرسنگ راج عالی: ☆ یہ تو امتحان ہے انسان کی عقل و دانش کا
اجل کی پیشوائی کے لیئے تیار ہوجائے

☆ آکر اجل نکل گئی کترا کے بار بار ۔۔۔ آبِ حیات تھا کہ تیرا انتظار تھا

☆ روح جب نکلی تو عالیؔ رہ گئے اعضاء خموش　　مالکِ خانہ کو جاتے پاسباں دیکھا کیئے

محبوب راج محبوبؔ :

اجل ٹالے نہیں ٹلتی جہاں مجبور ہے انسان　　مسیحائے زماں ہو یا ارسطو ہو کہ لقمان ہو
مکاں میں چھوڑ کر جاتا ہوں لامکاں کیطرف　　ہے مقصد جانے کا معبودِ دو جہاں کیطرف

نرہر راج ساقیؔ :

چلو تن چھوڑ کر ساقیؔ چلیں گے　　کہ ملنا ہے ہمیں اس لامکاں سے

ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہہ رہی کہ خود شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے شاعروں اور ادیبوں کی ہمت افزائی اور ممکنہ مدد کی تھی بعض شاعروں کی مالی امداد کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا اس سلسلے میں اگلے صفحات میں روشنی ڈالی گئی ہے ۔

حب الوطنی : اس دور میں جب کہ ہندوستان دیسی ریاستوں اور صوبوں میں منقسم تھا تو جذبہ حب الوطنی کا تصور دھندلا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود باقیؔ اور عالیؔ نے ہندوستان کی یکجہتی اور قومیت کا نقشہ صاف کھینچا تھا ۔ خاص طور سے باقیؔ نے تو انگریزوں کے خلاف جب قلم اٹھایا تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سلطنت حیدر آباد کی جغرافیائی حدود کو پار کر کے پورے ہندوستان کی نمائندگی کر رہے ہیں ۔ اس سلسلہ میں ان کی فارسی نظم بہ عنوان " سنا ہے کوئین وکٹوریہ ہندوستان کی ملکہ بن گئیں " ۔ قابل ذکر ہے یہہ واقعہ سن ۱۸۷۷ء کا ہے یعنے انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے دس سال پہلے کا ۔

نرہری پرشاد :

ناؤں گاؤں کو جوئے ہند ماہیں چھبورا مو　　پرش بھاگی ہوے قانون گوئی نہاں کی
اب سکھ باسی دکشن ماہیں　　بھاگیہ نگر سم نگری ناہیں
نام حیدر آباد کہاوے　　اندر پوری سوتی سرس سوہاوے

باقیؔ : حشر تک زندہ جاوید وہی باقیؔ ہیں
طالب ملک بقا تھے جو فنا سے پہلے

عالی:

ہند وہ جس کا مرتبہ اعلا — ہند وہ سب کا ہے جو گہوارا
ہند وہ ہند جو وطن اپنا — ہند وہ جس میں ہے دکن اپنا
ہند وہ ہند علم کا مخزن — ہند وہ ہند خلق کا معدن
رام اور کرشن کا یہ مسکن تھا — بھیشم ارجن سے ہند گلشن تھا
ہند کو جن سے اب بھی زینت ہے — ساری دنیا میں آج شہرت ہے
ساری دنیا میں بول بالا ہو — ہر طرف روشنی اجالا ہو
تو ممالک کا رہنما ہوجائے — کشتی والوں کا نا خدا ہوجائے
دل سے دیتا ہے یہہ دعا عالی — اور ہو تیرا مرتبہ عالی

محبوب:

قوم کے شیدا بنو اور قوم پر ہی جان دو — کچھ نہ کچھ آثار چھوڑے جاو اپنے نام کے

ساقی:

پندرہ تھی اگسٹ کی تاریخ — پائی ہندوستاں نے آزادی
ساتھ امن و امان کے باپو نے — ہم کو آخر دلائی آزادی
کیوں نہ جنت نشاں ہو ملک اپنا — پر فضا کس قدر ہے ہر وادی
اور کس کو ملی ہے دنیا میں — جیسی ہم کو ملی ہے آزادی
میں کہونگا اسی طرح ساقی — معجزہ ہے ہماری آزادی

(۱۵ اگسٹ، ۱۹۴۷ء کے دن ریاست حیدر آباد میں مطلق العنان حکومت تھی)

چین کے حملہ سے متاثر ہوکر

ہوں گے ہندوستان پر قربان — قطرہ خون بہائیں گے ہر آن
ہم لگا دیں گے جان کی بازی — باقی رکھیں گے اپنی آزادی
ساری دنیا کو ہم بتادیں گے — ہم سبق یہہ تجھے پڑھا دیں گے

جان دے دیں گے مال دے دیں گے — دشمنوں سے نپٹ کے دم لیں گے
مادرِ ہند کو بچائیں گے — مار کر چین کو بھگائیں گے
دیکھ لینا یہہ ہوگا اے ساقی — ہوگا چینی نہ ایک بھی باقی

یہ سب ہی اپنے اپنے استاد سے عقیدت رکھتے تھے۔

زہری: گورو بن اور نہ جاں رے من
ست گورو بھگوان رے من

باقی:

حضرت فیض کا سب فیض ہے باقی پہلے — نہ سخن گوئی تھی ایسی نہ زباں دانی تھی
شاگرد ہو جو باقی استاد شاعران کے — ثانی تمہارا کوئی باقی نہیں دکن میں
فیضان فیض ہی سے ہوئی ہے دکن کی قدر — جب لکھنو کو لکھ کے ہماری غزل گئی

عالی:

جلیل سا کہاں استاد ادب ملے عالی — ملا ہے فیض یہہ مجھکو جلیل منزل سے
رہے جلیل کا آباد میکدہ عالی — کہ ہر شراب کو شیریں بنا کے پیتا ہوں
کہاں تک کوئی گنوائے جو ان کے کارنامے تھے — امام الفن کا احسان کس قدر اردو زباں پر ہے

محبوب:

کیوں نہ ہو محبوب کا مقبول اور شیریں کلام — ہے خدا بھی مہرباں اور مہرباں استاد بھی
کیا ہو محبوب رقم مدحت استاد جلیل — چند ہی دن میں رنگی خوب طبیعت میری

ساقی: جلیل سخنور کا ہے فیض ساقی — تجھے کون کہتا ہے کامل نہیں ہے
ساقی کو اپنے فخر ہے استاد پر بجا — حضرت جلیل سا کوئی اہل زباں نہ تھا

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ھیکہ میرا یہہ استدلال نہیں ھیکہ یہہ سب کے سب بڑے شاعر تھے۔ بڑے اور چھوٹے شاعروں میں تمیز کرنے کیلئے کوئی پیمانے نہ مقرر ہیں اور نہ ہی میں ان کے بارے میں کچھ کہہ سکتا ہوں۔ البتہ یہہ حقیقت ھیکہ بڑے شاعروں نے بھی معمولی شاعری کے انبار لگادیئے تھے اور چھوٹے شاعروں کے پاس عظیم اشعار کا مجموعہ مل جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بڑے اور چھوٹے سب ہی شاعر قابل تعظیم

ہیں ۔ لیکن قابل ذکر امر یہ ھیکہ جس خاندان کی پانچ پشتوں نے لگاتار ادب کی خدمت کی اسی کا ذکر اس مختصر کتاب میں پیش ہے ۔ یہ خاندان حیدر آباد سے تعلق رکھتا ہے شائد ایسی مثال ہندوستان کے کسی اور خطے میں نہ ملے لیکن حیدر آباد کی حد تک یہ اپنی آپ مثال ہیں دوار کا پرشاد افق لکھنوی کے صاحبزادے بشیشور پرشاد منور نے اپنی تصنیف "لمحات افق" میں لکھا ہے کہ افق صاحب کے خاندان میں چار پیڑیوں نے اردو میں شاعری کی تھی ایک اہم بات یہ ہے کہ اصغر، باقی، عالی اور ساقی سب نے اردو کے علاوہ ہندی اور فارسی میں بھی لکھا ہے ہندی سے ان کا والہانہ لگاؤ روحانی اور مذہبی اقدار پر منحصر ہے ان سب کی ہندی تخلیقات پر ایک علحدہ کتاب بھی عنقریب منظر عام پر آئے گی ۔ ہندی میں بھجن اور پد کے ساتھ باقی نے شیوپران اور کشیوپران کا خلاصہ تلسی داس کے پیرو بن کر چوپائی اور دوہے میں لکھا ۔ باقی نے فارسی میں استادانہ درجہ حاصل کر لیا تھا چنانچہ باقی کی ،تصانیف فارسی زبان میں ہیں ۔ باقی کی حیات ہی میں ان کی شاعری اور فن پر کئی مقالے جانے مانے حضرات اور شاعروں نے لکھے تھے جن میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے علاوہ بچولال تمکین اور مولانا رفعت عباس شوستری طوبی شامل ہیں۔باقی کے والد ماجد رائے زہری پرشاد نے صرف ہندی میں لکھا تھا شائد وہ پہلے شاعر ہیں جھنوں نے سنسکرت کی مشہور کتاب یوگ وشٹ کا سنسکرت سے ہندی میں منظوم ترجمہ کیا تھا اور اس کا نام دیا تھا زہری پرکاش ،جسے لکھنے کے بعد اسے وہ کاشی لے گیئے جہاں پنڈتوں اور عالموں نے اس ترجمے پر بحث ومباحثہ کے بعد اس پر تصدیق کی مہر لگادی تھی کیونکہ یہ ترجمہ بالکل قابل قبول تھا بنارس کے پنڈتوں نے پھر زہری پرشاد کو مان پتر پیش کیا تھا یعنے سپاس نامہ لیکن ہندی ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے زہری پرشاد اور گردھاری پرشاد کی ہندی خدمت اور غیر معمولی کاوشوں کا ذکر کہیں بھی نہیں کیا ہے ۔

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے تاریخ اردو ادب میں باقی کی ادبی خدمات پر تبصرہ کیا اور لکھا کہ :

" باقی اردو کے ساتھ ساتھ فارسی ہندی و ترکی کے عالم تھے انھوں نے بہت ہی سادہ زندگی یعنی ایک درویش کی زندگی گزاری انکا ادب صوفیانہ اور فلسفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے " ۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ھیکہ ان سب ہی نے اپنی مادری زبان ہندی میں شاعری کی تھی منجھے

ہوئے فنکار کی طرح بہت سی ایسی تشبیہوں سے بھی کام لیتے رہے جو ہندی زبان میں عام طور سے استعمال ہوتی ہیں اور کہیں کہیں اردو میں اندازِ بیان ہندی سے ملتا جلتا ہے۔ اور فارسی سے مکمل واقفیت کے باوجود فارسی آمیزش سے گریز کیا۔

اس پس منظر میں یہہ ایک مسلمہ امر ھیکہ اردو اور فارسی کے ارتقاء میں ہندو شعراء نے بھی جو غیر معمولی رول ادا کیا ہے اس نے قوم کی یکجہتی اور بھارت کی قدیم تہذیبی روایات کو مضبوط رکھا اور مشترکہ ورثہ نسلاً در نسلاً جاری رہا۔ افسوس ھیکہ آجکل کا اردو معاشرہ اس رواداری سے دور ہوتا جارہا ہے خاص طور پر اردو صحافت پورے ہندوستان میں تفریق کے بیج بونے میں مشغول نظر آتی ہے۔ یہہ بھی کچھ حد تک صحیح ھیکہ وہ علمبردار شخصیتیں جن سانچوں میں ڈھل کر نکلیں اور اپنے ساتھ وطن کی مٹی کی خوشبو لیکر آگے بڑھی تھیں اب وہ سانچے ختم ہوگئے ہیں۔ اس لیئے مزاج بلند حوصلگی رواداری خوش مزاجی اور پاکیزہ نفسی کے نمونے اب دکھائی نہیں دیتے اور محسوس ہورہا ہے۔

زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد

یہہ کہنے میں ذرا بھی جھجھک نہیں اور یقین ھیکہ قارئین بھی اس سے متفق ہوں گے کہ یہہ عظیم چہرے وسیع النظری، فراخ حوصلگی خلوص ویگانگت وطن پرستی یکجہتی صداقت اور انسان دوستی جیسے اہم کرداروں کے خط وخال لیئے اٹھے تھے اور شعروسخن میں یہ اور بھی صاف نظر آتے ہیں۔ کہیں پروردگار سے والہانہ عقیدت ہے تو کہیں حقیقی انسانیت سے بے پناہ خلوص انکی تخلیقات سماج کے روشن اور تاریک ہر دو پہلو کی ایسی چلتی پھرتی تصویریں ہیں جو انکے دل کی دھڑکن بن کر آج بھی گونج رہی ہیں مختصر یہہ کہ یہ پیشکش اس دور میں جبکہ انسان دوستی کی کمی۔ زبان اور مذہب کا واسطہ دے کر نفرت وفساد کی جو بنیاد ڈالی جارہی ہے اس بیگانہ فضا میں خلوص یگانگت اور انسان دوستی کا یہہ موثر پیام ہے میں امید کرتا ہوں کہ اہل زبان اور سخن فہم حضرات اس کوشش کی ہمت افزائی ضرور کریں گے۔

جوش ان میں جو تھا اس جوش کا اب دور نہیں
یہ ہیں پشتینی ادب دوست کوئی اور نہیں

ممکن ھیکہ اس پیشکش میں ایسا انداز بیان جو صرف ریسرچ اسکالرس اپنے مقالوں میں استعمال کرتے ہیں نہ ملے لیکن میری کاوش صرف یہہ رہی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کا آج کل کے اردو داں طبقے سے تعارف کروادوں جو بذات خود فن کار تو تھے اور انھوں نے اردو سے غیر معمولی رشتہ بھی مضبوطی سے قائم رکھا تھا۔ لیکن انھوں نے کبھی اردو شاعری کو اپنے روزگار کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔

مجھے یقین ھیکہ یہ پیشکش اردو کے اسکالروں اور طالب علموں کے لیئے سودمند ثابت ہوگی کیونکے اس کوشش کا دور تقریباً ۲۰۰ سال کی مدت کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔

آپ یہہ بھی ضرور محسوس کرینگے کہ اس کتاب میں کچھ ذاتی اور غیر ذاتی موضوعات اور مشاہدات دانستہ یا غیر دانستہ طور پر شامل ہیں مجھے یہہ بھی اعتراف ہے کہ میں نے ان بزرگوں کے ساتھ پوری طرح انصاف نہیں کیا ہے یعنے جو کلام فراہم کیا گیا ہے وہ ان کی خداداد علمی صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت حد تک محدود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو زبان کے پڑھنے والوں کا ذوق مطالعہ بہت کم ہوگیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ھیکہ اردو زبان جس نے ایک بولی کے طور پر عالم وجود میں قدم رکھا تھا وہ پھر بولی بن کر رہ جائیگی۔

بہر حال اس کتاب کے ذریعے میں نے ان بزرگوں کو خراج عقیدات پیش کیا ہے اور ان کی ادبی شخصیت کو قارئین سے متعارف کرایا ہے جس کے وہ ہر لحاظ سے مستحق ہیں یہہ اور بات ھیکہ اردو کے اجارہ داروں نے انھیں وہ مقام نہیں دیا جو انہیں ملنا چاہیئے تھا۔

انکی زندگی کا مقصد اور شاعری کا مقصد صرف یہہ تھا۔

نہ چھوڑیں دین کا دامن رہیں دنیا میں عزت سے

احترام آدمیت ہی اصل تہذیب ہے جو ان سب میں کوٹ کوٹ کر نمایاں طور پر بھری تھی۔

سن رکھو تم فسانہ تھے یہ لوگ

تحقیقات سیاق باقیؔ

حضرت باقیؔ کی غیر معمولی اور غیر مطبوعہ تصنیف تحقیقات سیاق باقیؔ جو علم مثلث، علم ہندسہ اور ریاضی کے چند دلچسپ قاعدوں پر مشتمل ہے اس پیشکش کا بہت ہی اہم جز ہے۔ باقیؔ نے عام آدمی کی معلومات اور سہولت کے لیئے چند گُر واضح صاف اور آسان زبان میں لکھے ہیں۔ جیسے وقت معلوم کرنا۔ قرض لیتے وقت سود کا حساب کرنا۔ کپڑا۔ موتی اور سنگ مرمر خریدتے وقت درکار کپڑے کی لمبائی۔ موتیوں کا وزن اور پتھروں کی جملہ تعداد کا اندازہ کرنے کے لیئے بہت ہی آسان طریقے بتلائے ہیں۔ جو قابل غور ہیں۔

اس کاوش کو منزل مقصود تک پہنچانے میں جناب کالی داس گپتا صاحب رضاؔ کی رہنمائی اور ہمت افزائی کا بڑا ہاتھ رہا ہے رضاؔ صاحب نے اس پیش کش کے لیئے حرفے چند لکھ کر میری عزت افزائی کی ہے اور اس کی وقعت میں اضافہ کیا ہے۔ میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

میں جناب محفوظ علی صاحب سابق پروفیسر ریاضی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے تحقیقات سیاق باقیؔ کے چند موضوعات کو بہ غور دیکھا اور چند مثالوں کو بعد تصدیق صحیح قرار دیا۔

میں جناب مضطر مجاز صاحب اور مغنی تبسم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مسودہ دیکھا اور مفید مشوروں سے سرفراز فرمایا ہے۔

جناب سلیم صاحب اسپیڈ پرنٹس اور آفرین بیگم کا بھی ممنون ہوں جن کے تعاون کی بنا پر طباعت ممکن ہو سکی۔

ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ　　　　آنند نیلم اونتی نگر

حیدرآباد 500029 آندھرا پردیش

فون نمبر: 3220414

سوامی پرشاد اصغر

وفات ۱۸۲۳ء

سوامی پرشاد۔ راجہ رام کے اکلوتے فرزند تھے۔
راجہ رام کا انتقال ۱۸۲۲ء میں حیدر آباد میں ہوا۔
سوامی پرشاد کی تعلیم و تربیت ان کے نانا رائے چمن لال منشی کی زیر نگرانی ہوئی۔
چمن لال منشی ایک عالم و فاضل شخصیت کے مالک تھے۔
کماری لال نواب ناصر الدولہ نظام کے ماموں نواب ہمت یار خاں کے اسٹیٹ میں پیشکار تھے۔ کماری لال کی دختر نیک اختر کیساتھ سوامی پرشاد کی شادی ہوئی تھی۔
۱۷۸۹ء میں سوامی پرشاد کو نظام وقت نے رائے کے خطاب اور پانچ صدی منصب سے سرفراز کیا تھا سوامی پرشاد کو تین لڑکے تھے لیکن ان کے دو فرزندان نرسنگ پرشاد اور نارائین پرشاد کا انتقال بہت کم عمری میں ہوگیا تھا۔
سوامی پرشاد کے دوسرے فرزند نرہری پرشاد ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے جناب کالی داس گپتا رضا نے اپنی تصنیف "سہو وسراغ" میں لکھا ہیکہ سوامی پرشاد کا تخلص اصغر تھا۔
اصغر کے استاد تھے نواب بدر الدین خاں امیر الدولہ لائق۔ بدر الدین خاں جو سکندر جاہ نظام سوم کے خانساماں تھے۔

سوامی پرشاد ہندی فارسی اور اردو کے عالم تھے انھوں نے تینوں زبانوں میں شعر کہے تھے ۱۸۱۳ء میں اصغر کی اردو اور فارسی غزلیات اور کلام کے مجموعے مرتب ہوئے تھے جو کتب خانہ آصفیہ میں موجود تھے جس کا ذکر نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "دکنی ہندو اور اردو" میں کیا ہے۔

اصغر کا مرثیہ لندن کے کتب خانے میں میں دکنی مخلوطات کے صفحہ ۶۵۳ پر درج ہے۔

جب چڑے لڑنے کوں قاسم تب کے رورو دہن اے نجومی سانچ کہہ کس وقت پر لاگے لگن
تھے کھڑے کیسے یوں مجھ کو چھوڑ گئے ابن سخن تخت چھڑتے، بخت الٹے یہہ ہوا کیسا شگن
ختم کر اب مرثیہ کوں بول اٹھارو رو شتاب دولت دنیا و دیں سوں کون کرنا کامیاب
یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوتراب اصغر عاصی نے پکڑے شاہ قاسم کے چرن

اصغر کے کلام میں مقامی رنگ جھلک رہا ہے۔ جس سے شبہ ہوتا ھیکہ وہ گجراتی تھے گجراتی مرثیوں میں اکثر مقامی رنگ ہوتا ہے۔

"اصغر گجراتی نہیں تھے بلکہ وہ دکن میں پیدا ہوئے اور دکن کے رنگ میں ڈوبے رہے۔"

نصیر الدین ہاشمی نے بھی "دکنی ہندو اور اردو" میں لکھا ہے کہ:

اصغر کی حسینی علم میں سکونت تھی اور وہ نواب بدر الدین خاں امیر الدولہ لائق کے شاگرد تھے۔

اصغر کے کلام کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہہ دل جب آکے محبت میں جا فراغ لگا یقین و ہوش سے غفلت کو تب چراغ لگا
حقیر اصغر ناداں فقیر ہو دل سے وہ بوے گل سے عجب دم بدم دماغ لگا

عشق کے رمز کو پانا ہے بہت امر محال لاکھوں ناسور ہوئے خاروں کے دبتے ہوئے

پایا نہ کبھی یہہ دل دیوانہ کسونے حسرت میں کوئی رہ گیا ویرانہ کسونے
کہتے ہیں کوئی دور رہے نزدیک و لیکن ٹک چھوڑ خودی عشق کو جانا نہ کسونے
سب آکے مسافر گئے اس فانی سرا سے اس جائے میں ہرگز نہ کیا ٹھکانہ کسونے
کونین سے دھو ہاتھ چکا ہو اے اصغر بولا جو ہو مضمون یہہ مستانہ کسونے

درد دل جسے کہیں اپنا ہم سنتے سنتے　　　سنتے ہی جاتے دیوانہ پھرے رستے رستے

☆☆

اصغراب شاد ہے نت فضل سے رب کے ہر دم
ہر نگہ میں کھلے گل جملوں کے دستے دستے

اصغرنے ان کے والد محترم راجہ رام کی وفات کی تاریخ نکالی تھی۔
ہجری کے بارہ سو اور اڑتیس اٹھاروں ربیع الثانی پگ دہارے ہیں۔
مستوفی راجا رام جیو مکت گیانی پرش بیکنٹھ کو سدہارے ہیں۔ (۱۲۳۸ ہجری)
سوامی پرشاد سکندر جاہ کے شاہی قلفلے کیساتھ اورنگ آباد کے سفر پر گئے تھے۔ وہاں سے انہوں نے (بہ اجازت سرکار) ناسک اور ترمبک مشہور مقدس مقامات کی یاترا کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کا ذکر انکے پوتے بنسی راجہ باقی نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔

کلام اصغرؔ کے قلمی نسخے کا عکس

جس وقت کیا واقف سر بین ہر گل اور بلبل باغ لگا
جب محو ہوا کچھ ہوس سینے انوار صنم کا سر لاغ لگا
کہے اصغر سیر جہاں کیا سے روشن ایک چراغ لگا
ہر دوس گل رو یار کے صورت پر ہر دم دم بیچ دماغ لگا

ریاعی بزبان ریختہ

سوامی پرشاد اصغر کی خطاطی کا ایک نمونہ
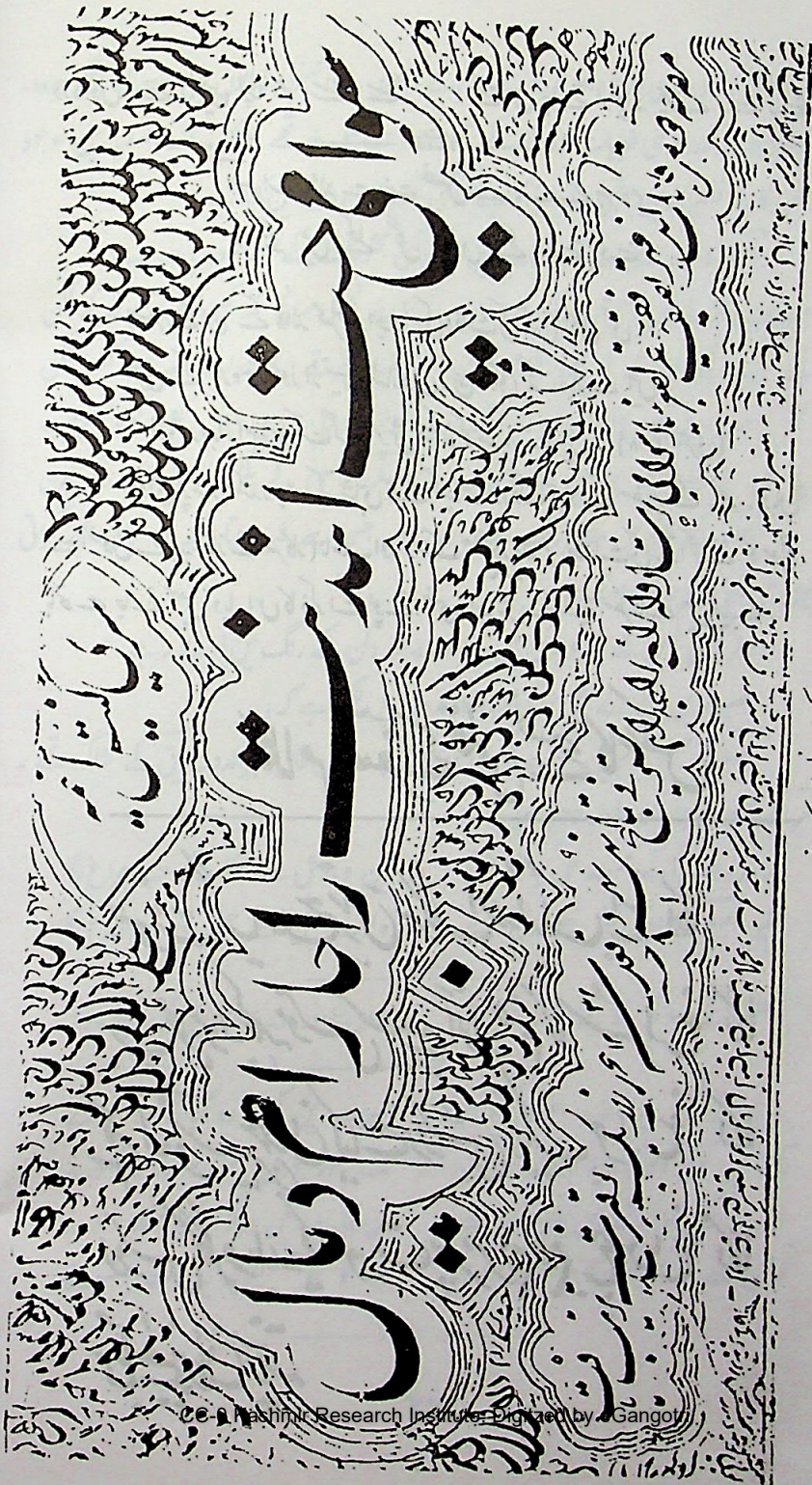
نرہری پرشاد کی تصنیف "نرہری پرکاش" کی رسم اجرا سن ۱۸۵۸ء
مصنف کیساتھ پنڈت ہری نارائن جی

رائے نرہری پرشاد "نرہری"

(۱۸۰۸ء تا ۱۸۸۰ء)

نرہری پرشاد رائے سوامی پرشاد اصغر کے دوسرے فرزند تھے ان کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں البتہ سن ولادت غالباً ۱۸۰۸ء کے آس پاس ہے ۔ ان کے والد سوامی پرشاد کے انتقال کے وقت ۱۸۲۳ء میں ان کی عمر قریب ۱۴ سال تھی ۔

سکندر جاہ نظام سوم نے اس کم سن ہونہار کو ان کے مرحوم والد کی موروثی خدمت پر مامور کر دیا ۔ موروثی خدمات تھیں صدر خانساماں اور سررشتہ دار مشعل خانہ ۔

۱۸۴۶ء میں بعض وجوہات کی بناء پر راجہ بالسنکد کو محکمہ کروڑ گیری کی سررشتہ داری سے برخواست کر دیا گیا تھا ۔ اور پھر اس خدمت پر نظام نے نرہری پرشاد کا تقرر کیا ۔

نواب ناصر الدولہ کے دور حکومت میں نرہری پرشاد کے ذمے فوج صرف خاص کی تنظیم کی ذمہ داری تھی نظام نے ان کا سررشتہ دار فوج صرف خاص کے عہدے پر تقرر کیا ۔ ان کی کار کردگی کے اعتراف میں ناصر الدولہ نے انھیں خلعت اور جواہرات تحفہ میں دیئے تھے ۔

۱۸۶۱ء میں نظام نے انھیں رائے کے خطاب سے سرفراز کیا تھا ۔ اور پانچ صدی منصب بھی عطا کی تھی ۔

باقی ، ڈاکٹر زور اور نرسنگ راج عالی کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ نرہری پرشاد

سنسکرت، ہندی اور فارسی کے عالم تھے انھیں بھی علم و ادب اور شاعری کا مذاق ورثے میں ملا تھا۔ سنسکرت زبان پر اس قدر مہارت تھی کہ سنسکرت میں گفتگو فرماتے تھے۔ عالم ہی نہ تھے بلکہ عامل بھی تھے۔

سنسکرت کی مشہور گرنتھ (کتاب) "یوگ وشٹ" جو سارے عالم میں شہرت رکھتی ہے اس کا منظوم ترجمہ سن ۱۸۵۸ء میں ہندی میں کیا تھا اور اس کو نرہری پرکاش کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس ترجمے کا ذکر منشی دوار کا پرشاد افق (لکھنوی) نے ان کی تصنیف حیات باقی میں حسب ذیل اشعار میں کیا ہے۔

کتاب یوگ واشٹ است مرغوب   یہ بھاکا ترجمہ کرامت زبس خوب

بعجلت ہمچومہ کردہ تماشش   نہادہ نرہری پرکاش نامش

یوگ وشٹ کا ترجمہ کرنے کے بعد اسے بنارس کے پنڈتوں کو تصدیق کے لیئے دیا۔ بنارس کے پنڈتوں اور عالموں نے اپنی تصدیق کی چھاپ لگائی اور انھیں مان پتر سے نوازا۔

"یوگ وشٹ" ویدانت یعنی فلسفہ معرفت کی عظیم کتاب ہے۔ اس کے مصنف کا پتہ نہیں لیکن عام طور سے اسے والمیکی کی تصنیف بتلایا جاتا ہے والمیکی ہی نے رامائین بھی لکھی تھی۔ یوگ وشٹ غالباً پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے لگ بھگ لکھی گئی۔ اس تصنیف کا اثر کئی اپنشدوں (جملہ ۲۸ اپنشد ہیں) کے مصنفوں پر رہا اور یہاں تک کہ راجہ بھرتری نے جو سنسکرت میں مشہور تصنیف بھرتری شٹک لکھی تھی۔ یوگ وشٹ سے متاثر رہے۔ اور بعض مضامین اور عبارت جوں کی توں یوگ وشٹ سے مستعار لے لی۔ سوال یہہ ہے کہ یوگ وسشٹ کو ہی ترجمہ کے لیے نرہری پرشاد نے کیوں چنا۔ اس کی کھوج میں نے کی۔ اور ہندی کے ریٹارڈ پروفیسر اور جانی مانی ہستی رام نرجن پانڈے سے جب مشورہ کیا تو پانڈے جی نے بتلایا کہ شائد ۱۸۵۸ء تک یوگ وسشٹ کا ہندی میں کسی نے ترجمہ نہیں کیا تھا۔ اسی لیے نرہری پرشاد نے اس کا انتخاب کیا۔ پروفیسر بی۔ ایل اترے سن ۱۹۳۵ء میں یوگ وسشٹ پر اپنی تصنیف The Philosophy of Yoge Vasishta میں لکھا ہے کہ یوگ وسشٹ کا پہلا ترجمہ ہندی میں سن ۱۸۷۸ء میں نثر میں ہوا تھا۔ اور اردو میں اس کا ترجمہ منشی

سورج نارائین مہرؔ نے ۱۹۲۲ء میں کیا۔ لیکن ان دونوں مترجمین نے لگھو یوگ وسشٹ کا ترجمہ کیا ہے مول یوگ وسشٹ کا نہیں۔ لیکن نرہری پرشاد نے مول یوگ وسشٹ کا ہندی میں منظوم ترجمہ کیا ہے یوگ وسشٹ گرنتھ ان تعلیمات اور مذاکرات کو بنیاد بنا کر لکھی گئی تھی جو تعلیمات بھگوان رام کو ان کے گرو وسشٹ جی مہاراج نے معرفت۔ اور فرائض دینی و دنیاوی کے لیئے دی تھیں۔

نرہری پرکاش کا ہندی میں منظوم ترجمہ تقریباً ۱۱۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کا قلمی اصل نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ نرہری پرشاد کی دو اور تصانیف ہیں۔ نرہری مال۔ بھجنوں اور کبت کا مجموعہ نرہری گیان اپدیش۔ یہہ بھی گیان یعنے معرفت کے مضامین پر مشتمل ہے۔ نرہری پرشاد نے اپنی وفات سے ۱۵ سال قبل گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور عمل شغل روحانی اور تصنیف و تالیف میں بالکلیہ طور پر مصروف رہتے تھے اور اس مشغلے میں ہمہ تن جڑ جانے کے بعد اپنے فرزند راجہ گردھاری پرشاد کو جملہ کاروبار سرکاری اور خانگی تفویض فرما کر اپنی باقی عمر دیوی دیول چندرائن گڈہ میں گزاری۔ نرہری پرشاد کا انتقال ۱۸۸۰ء میں ہوا۔

ان کے انتقال کی تاریخ ان کے فرزند باقیؔ نے ہجری اور سمت میں نکالی ہے۔

☆ سمت کی تاریخ ہے جیسو نرل جل   نرہری چھتیر سوہا یوجگ مچکندا کے تیر

☆ وقت زین عمکدہ ہزار افسوس   والد ماجد من ناشاد

خلق در سایہ اش بیا سائند   حیدرآباد ہست نا آباد

گفت تاریخ ایں بنا باقیؔ   دار باقیؔ ز نرہری پرشاد

۱۲۹۷ ہجری

باقیؔ نے اپنے والد کی شان میں فارسی میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔ اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔   نرہری پرشاد صاحب والد والائے من۔ مظہر من مصدر من مالک و ملجائے من

نرہری پرشاد ایک قابل عالم اور شاعر ہی نہیں تھے بلکہ اچھے اڈمنسٹیڑ بھی تھے۔ انھوں نے تین آصف جاہی فرمارواؤں کے دور حکومت دیکھے جو سن ۱۸۲۳ء سے ۱۸۸۰ء تک جاری رہا۔

یعنے نواب سکندر جاہ ۔ نواب ناصر الدولہ اور نواب افضل الدولہ کے چشم دید گواہ ہی نہیں تھے بلکہ ان کے نظم و نسق میں جو بھی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی اسے بہ احسن الوجوہ پوری کی ۔ اس طرح وہ سیاسی اور سماجی نشیب و فراز بھی دیکھے لیکن ان کی تصانیف صرف روحانی اور معرفت کے مضامین سے بھری پڑی ہیں ۔ انھوں نے کسی فرما رواں یا وزیر اعظم کی ستائش میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا البتہ ایک سچے ہندو کے ناطے اپنی تصنیف کے خاتمے پر شہر حیدر آباد اور فرماں روائے وقت کی عمر درازی اور عوام کی بھلائی کیلئے دعا ضرور مانگی۔

بھاگیہ نگر بڑھ بھاگی اتی نام حیدر آباد　　　آصف کی سرکار جو رہے سدا آباد

نرہری پرشاد نے بھارت کے مقدس مقامات جیسے کاشی ، الہ آباد ، تروپتی اور ناسک کی یاترا بھی کی تھی ۔ وہ ایک محب وطن تھے ۔

تاریخ نرہری پرکاش

مصنف : رائے نرہری پرشاد

نرہری پرکاش گرنتھ آرمبھ ، پورن ہری نارائین کی مہاراج ہیں۔
مارگ سِر سو ماس کرشن پکش بدھ سووار پنچمی تیھتی سوجان پوشن چھتر تاج ہیں ۔
ایک سہس نوشت بارا کشس سمت ستر اسو اٹھیتر شک سُکھ ساج ہیں۔
ہجری کے بارہ سو ستر دو جانئ ، جان ستھر ویں پرتھم ربیع الثانی لکھے لاج ہیں۔

غور طلب ہے کہ تاریخ نکالتے وقت ہندو سن و سال کے ساتھ مصنف رائے نرہری پرشاد نے سن ہجری ، جس کا تعلق اسلام سے ہے کو بھی اہمیت دی ہے ۔ یہ ان کی مذہبی رواداری کا بہترین ثبوت ہے ۔

بنسی راجہ بہ یک نظر

راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ

بنسی راجہ

لقب عنایت کردہ محبوب علی پاشاہ

سال پیدائش جولائی ۱۸۲۸ء وفات جولائی ۱۸۹۶ء

خطابات

راجہ بہادر سن ۱۸۸۳ء

بہ مسرت جشن سالگرہ مبارک

محبوب نواز ونت ۱۸۹۳ء

عماری و نوبت و روشن چوکی سرفراز ہوا ۱۸۹۳ء

بہ مسرت جشن سالگرہ مبارک

خدمات

اتالیق میر محبوب علی خان نظام ششم

صدر سرشتہ دار فوج باقاعدہ و بے قاعدہ

صدر مشرف باورچیخانہ و خانسامانی

راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ

المعروف بہ بنسی راجہ

(سالار جنگ اول کے دست راست ۔ غیر معمولی شخصیت)

جولائی ۱۸۲۸ء ۔ جولائی ۱۸۹۶ء

گردھاری پرشاد رائے نرہری پرشاد کے بڑے فرزند تھے ۔ جولائی ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے ۱۲ سال کی عمر ہونے تک تعلیم ختم کرلی تھی ابتداء میں نواب ہمت یار خاں (جو نظام ناصر الدولہ کے ماموں تھے) کی فوج کے سررشتہ دار تھے ۔ لیکن جب ان کے والد رائے نرہری پرشاد اپنی خدمات سے سبکدوش ہوگئے تب ان کی جگہ ان کا تقرر ہوا ۔ مردم شناس سالار جنگ اول نے پہلی ہی ملاقات میں بھانپ لیا کہ گردھاری پرشاد ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں ۔ چنانچہ گردھاری پرشاد ، سالار جنگ اول کے ایک قابل اعتماد رفیق کار کی حیثیت سے سلطنت حیدرآباد کے نازک اور اہم منصوبوں کو عملی جامعہ پہناتے رہے ۔ ان کے سپرد کم سن حکمراں میر محبوب علی خاں کی تعلیم و تربیت اور شاہی محل کے انتظامات بھی سالار جنگ نے کیئے تھے ۔ محبوب علی خاں حکمراں بننے کے بعد گردھاری پرشاد کی عزت کرتے رہے اور انھیں بنسی راجہ کے پیار کے نام سے مخاطب کرتے تھے ۔ بعد ازاں وہ آج تک اسی نام سے مشہور ہیں ۔ ان کا اصلی نام بہت کم لوگ جانتے ہیں ۔

بنسی راجہ ان چند مدبرین، دانشوروں اور عالموں میں سے ہیں جو کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ انھوں نے جہاں دینوی مصروفیات اور ذمہ داریوں کو ایک قابل، دانشمند، منتظم کی حیثیت سے بخوبی انجام دیا وہیں دوسری طرف مذہبی اور روحانی اقدار سے لیس ایک شاعر اور عالم کی حیثیت سے ایک مثالی ہندوستانی کا جیون ایک تیاگی کے جیسا گذارا۔

اسی لیے ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے تاریخ اردو ادب میں لکھا ہے "باقی اردو کے علاوہ فارسی، سنسکرت اور ہندی کے عالم تھے ان کا اردو کلام صوفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے وہ ایک درویش کی زندگی گزارتے تھے"۔

ایک انگریز افسر میجر Evan Smith نے جو ریذیڈنٹ حیدرآباد کے ملٹری سکریٹری تھے۔ بنسی راجہ کے تعلق سے ان الفاظ میں نوٹ لکھا ہے۔ "بنسی راجہ ایک نہایت ہی مہذب ہندو ہیں۔۔۔۔ وہ ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں۔ سالار جنگ نازک مسائل کو حل کرنے کے لیئے ان کی صلاحیت پر منحصر رہتے ہیں۔ حیدرآباد کی فوج کی تنظیم میں انھوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔" بہ حیثیت ایک شاعر اور عالم وہ شاعروں اور عالموں کے قدر داں بھی تھے اور ان کی کسی نہ کسی شکل میں امداد اور ہمت افزائی بھی کیا کرتے تھے۔

افقؔ لکھنوی کے فرزند بشیشور پرشاد منورؔ نے "لمحات افقؔ" میں باقیؔ کے تعلق سے لکھا ہے۔ "باقیؔ والد صاحب کے خاص قدر داں تھے۔" نظم "اخبار انھیں کی سرپرستی میں نکلا، لکھنو پریس بھی انھیں کی ہمت افزائی سے قائم ہوا۔ افقؔ صاحب کو انھیں کے اثر و رسوخ سے طلب کیا گیا اور نظام دکن تک ان کی رسائی باقیؔ کے توسل سے ہوئی۔"

۱۸۸۸ء میں مرزا داغؔ جب حیدرآباد آئے تو ان کی رسائی میر محبوب علی خاں آصفؔ تک باقیؔ کی وجہ سے ہوئی۔ داغؔ بعد میں آصفؔ کے استاد مقرر ہوئے۔

باقیؔ حضرت فیضؔ کے شاگردوں میں خاص مقام رکھتے تھے رفتہ رفتہ استادی کا درجہ حاصل کرلیا۔ باقیؔ کے شاگردوں میں انبا پرشاد حکمؔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ اور دوسرے شاگردوں کے نام ہیں ہبرمزؔ حیدرآبادی، بھوانی پرشاد نفیسؔ اور کشن لال کشنؔ وغیرہ

ان کی اردو میں تین اور فارسی میں ۲۰ تصانیف ہیں جس کا تفصیلی ذکر راقم نے "اپنی

کتاب حیدر آباد کے بنسی راجہ " میں کیا ہے ۔ باقی نے ہندی میں تین تصانیف چھوڑی ہیں اور بہت سے بھجن بھی لکھے ہیں ۔ ان کی تین تصانیف طبع ہو چکی ہیں ۔ البتہ چند اہم فارسی تصانیف کا ذکر ضروری ہے ان تصانیف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ باقی اسلامیات کے بھی ماہر تھے ۔

۱۔ رباعیات بابرکات ۔ اسماء حسنہ کی برکت کی تشریح فارسی رباعیات میں کی ہے ۔ یہہ کتاب ابوالفضل عباس شیروانی کے زیر نگرانی طبع ہوئی تھی ۔ اور اس کے اختتام پر باقی نے ہفت بند ، ایک نعت لکھی جس میں ہر بند کے ختم پر حضرت محمد کو سو (۱۰۰) سلام پیش کیئے گئے ۔ اس تصنیف پر باقی کو سارے ملک سے داد و تحسین ملی ۔ جیسے راجہ سندیلہ درگا پرشاد مہر کے علاوہ دیوبند کے علماء اور حضرت عباس رفعت بھوپالی ، راجہ جے پرکاش کے سی ۔ ای ۔ ای (ریاست ڈمراون) کے علاوہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد نواب خورشید جاہ اور میر محبوب علی خاں نے خیراج تحسین پیش کیا ۔ شاد نے تو اس تصنیف پر مقالہ لکھا تھا دوسری تصنیف تھی " مناجات رحمت باران " ۔ جو باقی نے سالار جنگ اول کو لکھ کر دی تھی جب ریاست حیدر آباد میں سخت قحط پڑا تھا ۔ کہا جاتا ھیکہ سالار جنگ اس مناجات کو ہر روز پڑھتے رہے اور چند دنوں کے اندر ہی بارش ہوئی اور عوام کو نجات ملی ۔

باقی اردو اور فارسی ہر دو زبانوں میں صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ڈاکٹر زور ان کی مختلف تصانیف کا تفصیلی جائیزہ مرقع سخن جلد اول اور داستان اردو ادب حیدر آباد میں کیا ہے اور لکھا ھیکہ باقی ایک وسیع المشرب شخصیت کے مالک تو تھے ہی ساتھ میں بلند نظر تھے تصوف سے لگاؤ تھا ۔

باقی فی البدیہہ شعر کہنے کے بہت عادی تھے ۔ عموماً جب یہہ محبوب علی پاشاہ کے ساتھ رہتے یا پھر کسی تقریب یا دربار کے موقع پر اگر محبوب علی خاں کوئی مصرع کہتے اور مصرع ثانی کی فرمائش کرتے تو ساتھ ہی باقی مصرع ثانی عرض کر دیتے تھے ۔ چنانچہ ایک بار جب محبوب علی پاشاہ نے مصرع ۔ میر محبوب علی خاں کو نہیں جانتے کیا ؟ کہکر اس پر مصرع اولی کہنے کو ، کہا تو باقی نے فی البدیہہ عرض کیا ۔

پوچھتے کیا ہو کہ آصف ہے کہ تخلص کس کا   میر محبوب علی خاں کو نہیں جانتے کیا

یہی مصرع آصف نے اپنی غزل میں شامل کرلیا تھا۔

باقی نے جو خطوط اپنے احباب کو لکھے تھے وہ فارسی میں منظوم ہیں۔ غالب نے جو خطوط لکھے تھے وہ زیادہ تر نثر میں ہیں غالب اور باقی کے درمیان ایک فرق نمایاں ہے۔ باقی نے سرکاری خدمت کے دائیرے میں رہتے ہوئے انگریزوں کے خلاف لکھا تھا انھوں نے ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی بہ حیثیت شہنشاہ ہند کے موقعہ پر کھلم کھلا انگریزوں کی پالیسی پر تنقید کی تھی برخلاف اس کے غالب نے گورنر جنرل ہندوستان کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ باقی مغربی تہذیب کے سخت مخالف تھے چنانچہ بال روم ڈانس پر جو ہجو لکھی تھی وہ بہت مقبول ہوئی تھی۔ ان کی شخصیت اتنی ہمہ گیر تھی کہ وزراء اور وزیر اعظم وقت بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ جب امیر کبیر اور سالار جنگ اول کے درمیان (یہہ دونوں حضرات ریاست حیدرآباد کے وزیر اور وزیر اعلی تھے) سخت اختلافات پیدا ہوگئے تھے تب امیر کبیر کی تجویز کی بناء پر باقی ان دونوں کے درمیان ثالث مقرر ہوئے۔ اور ثالثی کا فرض بہ خوبی انجام دیا۔ باقی یوں تو سالار جنگ کے دست راست تھے لیکن پھر بھی امیر کبیر کو باقی پر پورا اعتماد تھا۔

صفحہ ۳۷

باقی صرف ایک عالم اور شاعر ہی نہیں تھے بلکہ انسانی اقدار کے محافظ و علمبردار اور محب وطن بھی تھے۔

۴ / جون ۱۸۹۶ء کو علیل ہوئے۔ دوران علالت میر محبوب علی خاں عیادت کے لیے آئے تو فارسی میں باقی نے شکرانے کا قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر ہے۔

بہ قصر پست باقی قیصر عالی مقام آمد تو باقی بے تکلف گو سواری نظام آمد

۲۴ / جولائی ۱۸۹۶ء کے دن (ہندوں کے کیلنڈر کے لحاظ سے مقدس ایکادشی کا دن تھا) اس فانی دنیا سے سورگ باش ہوئے۔ آخری رسومات سرکاری اعزاز سے انجام پائیں۔ یہہ آصف جاہی خاندان کا دستور تھا کہ امراء کی آخری رسومات بہ حکم سرکار انجام پاتی تھیں۔

انھوں نے خدمت خلق کے لیئے اپنی زندگی وقف کردی تھی اسی لیے آج تک لوگ انھیں عزت و محبت سے یاد کرتے ہیں۔ مرنے سے کچھ عرصہ قبل باقی نے حسب ذیل اشعار اپنے روزنامچے میں لکھے تھے۔ شائد انھیں موت کا پیغام مل چکا تھا۔

عدم کو جاتا ہوں پھر مستقل رہوں گا وہاں　　　یہاں سے منتقلی کا جو روبکار آیا

عجب جگہ ہے یہہ ملک عدم بھی اے باقی　　　ادھر گیا سو ادھر پھر نہ وہ نظر آیا

ایک منظوم یادگاری گلدستہ بہ عنوان " آخرت باقی " طبع کرکے ان کے دوست احباب نے انھیں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

حضرت داغ نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا۔

بیکنٹھ کو جب سدھارے راجہ ناگاہ　　　کیا صدمہ و غم دل کو ہوا ہے جانکاہ

لکھ داغ یہہ سرگ باشی کا تو　　　کرتا رہے باقی اور فانی اے آہ

باقی کی حیات، سماجی کارنامے انتظامی خدمات اور ان کا جو مقام بحیثیت شاعر رہا ہے اس کا ایک تفصیلی جائزہ راقم نے اپنی تصنیف " حیدرآباد کے بنسی راجہ " میں پیش کیا ہے۔

بنسی راجہ کے تعلق سے مہاراجہ کشن پرشاد نے کہا تھا " راجہ گردھاری پرشاد ان چند اہل کمال و زندہ جاوید ہستیوں میں سے ایک تھے جو ایک نیک، خلق جو مروت، سخاوت، شجاعت، رحمدلی، بے تعصبی، نیک نیتی، کریم النفسی، آشنا پرستی، انکساری، ملک کی خیر خواہی اور اپنے رہنما (آقا) سے بے انتہا عقیدت، تواضع و فروتنی جیسی صفات کے لیئے اپنی مثال آپ تھے۔"

گردھاری پرشاد باقی کے شاد ہم عصر تھے۔

بنسی راجہ کا لقب انھیں نظام میر محبوب علی خاں نے دیا تھا۔ وہ اس لیئے کہ بنسی راجہ نوجوان محبوب علی خاں کے بہت چہیتے اور قابل اعتماد درباری تھے اس تعلق سے دوارکا پرشاد افق لکھنوی اپنی تصنیف حیات باقی میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

خطابش بنسی راجہ از نظام است　　　بہ اوصاف حمیدہ نیک نام است

باقی کی علمی و ادبی کارناموں اور بنسی راجہ کو ہندی زبان سے جو والہانہ لگاؤ تھا اس کی یاد تازہ رکھنے کے لیئے ساقی نے عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ ہندی کے امتحان یم۔اے میں درجہ اول میں کامیاب ہونے والے طالب علم کو ہر سال بنسی راجہ گولڈ مڈل عطا کرنے کا سلسلہ قائم کیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۲ء سے جاری ہے۔

نظم دلکش بخطاب شہنشاہی حضور ملکہ معظمہ

دام اقبالہا

کوئین برشنیدم شہنشاہ شد ۔۔۔ دلم زین حقیقت نہ آگاہ شد

شہنشاہ یورپ شدن مشکل است ۔۔۔ وگر بہر ہند است بے حاصل است

کہ در خطہ ہند یک شاہ نیست ۔۔۔ پس این اشتہار شہنشہ زچیست

بشد باغ دہلی زبوں تر ز راغ ۔۔۔ نمودند مدراس را بے چراغ

اودہ شد پراگندہ چون نام خویش ۔۔۔ رسیدہ شہِ او بہ انجام خویش

بگجرات و لاہور و ملتان چیست ۔۔۔ بیاں کن کہ راجا و سلطان کیست

چہ غمناک شد راجہ، ناگ پور ۔۔۔ بشد دور از ملک میسور سور

چنان بانگ فریاد زد ہولکر ۔۔۔ کہ گوش فلک گشتہ از ہول کر

زمرہٹ چہ گویم کہ گمنام شد ۔۔۔ زراناچہ پرسی کہ ناکام شد

فروغ حکومت بہ اندورنیست ۔۔۔ کسی رافراغت باین دورنیست

بڑودہ بڑودہ شدند اتہام ۔۔۔ بسی غصب گشتہ است ملک نظام

کسانیکہ باقی حکومت ورانند ۔۔۔ بحق قدامت وظیفہ خورانند

شہنشاہ راتاج بخشی سزاست ۔۔۔ زشاہان اگر باجَ گیرد رواست

بانصاف گر حق رسانی کنند ۔۔۔ بہ اولاد شاہان ریاست دہند

بہرملک شاہی مقرر شود ۔۔۔ جہاں را سر انجام دیگر شود

درآن وقت این نام بانامی است

وگرنہ فقط لفظ بمعنی است

باقی نے اپنی اس تخلیق سے اس وقت سارے ہندوستان میں انگریزوں کی سیاسی و سامراجی حکمت عملی کے خلاف جو غم و غصہ کی لہر تھی اس کی ترجمانی کی تھی اس میں ان کے حب الوطنی کے جذبے کا اظہار بھی ہے۔ اس نظم کے تاریخی اور سیاسی پس منظر کا تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہ ایک ذہین فنکار اور ایک ذمہ دار ہندوستانی کے دل کی آواز ہے جس نے برطانوی سرکار کی غیر اخلاقی، غیر قانونی اور جبر و زیادتی پر مبنی کارناموں کا پردہ فاش کیا ہے اور اس، جشن شہنشاہی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے سب ہی ہندوستانیوں سے مخاطب ہونے کے لئے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اس نظم کی پرچیاں کھلے عام تقسیم کیں۔

باقی فرماتے ہیں:-

ملکہ وکٹوریہ تو یوروپ کی شہنشاہ نہیں بن سکتیں۔ اسی طرح ان کا ہندوستان کی شہنشاہ بننا بھی بے سود ہے۔ اس لئے کہ اب ہندوستان میں کوئی راجہ ہے نہ کوئی حکمران۔ ایک شہنشاہ کی شان تو اس میں ہے کہ وہ اپنے ماتحت حکمرانوں کیساتھ عدل و انصاف کرے۔ اس کے برخلاف جو شہنشاہی کا اعلان کر رہے ہیں انھوں نے اپنے اعمال سے حکمرانوں اور رجواڑوں کو ان ملازمین کی صف میں کھڑا کر دیا ہے جو وظیفہ خوار کہلاتے ہیں۔

- بہادر شاہ ظفر کو معزول کر کے دہلی کے باغ کو صحرا سے بھی زیادہ ویران کیا۔
- ریاست اودھ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے واجد علی شاہ برخواست کر دیئے گئے۔
- گجرات ملتان اور لاہور کے بارے میں انھوں نے صرف ایک شعر میں پورا حال بیان کر دیا ہے۔ اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے۔

راجہ رنجیت سنگھ کا پایہ تخت لاہور تھا اور ان کی ریاست پنجاب اور گجرات کے ایک وسیع علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ رنجیت سنگھ کے انتقال کے وقت ان کے شہزادے دلیپ سنگھ کم سن تھے اس لئے ان کی ماں رانی جھندان Regent مقرر کی گئیں، لیکن اس کے تھوڑے دنوں بعد رانی سے ایک معاہدہ پر زبردستی دستخط کروا کر انگریزوں نے

انھیں برخواست کر دیا۔ انگریزوں کی اس حرکت کو سکھ اور پنجابی عوام برداشت نہ کر سکے۔ اس کے خلاف ملتان کے گورنر مل راج نے اور گجرات کے گورنر نے بغاوت کی اس بغاوت کو کچل کر انگریزوں نے ان دونوں صوبوں کو ہڑپ کر لیا۔

اس سے قبل 1799ء میں ٹیپو سلطان کو شکست دے کر میسور کا صفایا کیا تھا۔ ۱۸۱۷ء میں آخری پیشوا باجی راؤ سے ایک معاہدے پر زبردستی دستخط کروائے۔ کچھ مدت بعد جب باجی راؤ نے اس کی مخالفت کی تو پیشوا حکومت کو ختم کر دیا گیا اور باجی راؤ کی سالانہ پنشن مقرر کر دی، اس غیر قانونی اور نازیبا سلوک کے خلاف ناگپور کے حاکم اپا صاحب اور اندور کے ملہار راؤ دوم نے جنگی کاروائی کی۔ اس وقت گوالیار کے صوبے دار راجہ سندھیا اور بڑودے کے راجہ گائیکواڑ خاموش تماشائی بنے رہے۔ یوں اپا صاحب کو بہ آسانی شکست دیکر برخواست کر دیا گیا۔ ان ناانصافیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سرکار نظام نے انگریزوں سے اشتراک عمل رکھا تھا اس کے باوجود علاقہ برار کو ایک معاہدے کے تحت ہڑپ کر لیا اور اسی طرح بڑودہ کے ایک زرخیز علاقے مہسانہ کو بھی۔ یہ نظم تاریخی واقعات کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔ نظم کو باقی اس وارننگ پر ختم کرتے ہیں کہ:

" ناانصافی اور زبردستی کا انجام برا ہوتا ہے "۔ جو ایک مدت کے بعد صحیح ثابت ہوئی

تعجب اس بات کا ہے کہ انگریز سرکار کی خفیہ نے اس نظم کے خلاف کوئی کاروائی کیوں نہیں کی۔

ایسے وقت جب انگریز حکومت اپنی طاقت اور شان و شوکت کا جشن منا رہی تھی باقیؔ نے یہ نظم لکھ کر اپنے سیاسی شعور، بیدار مغزی اور جرآت مندانہ جذبہ حب الوطنی کا شاندار مظاہرہ کیا۔

۷ ربیع الاول

۹ شنبہ ۱۳۱۲ ہجری قدسی

جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم محسن [illegible]

تسلیم۔ مسمی رام نرائن حامل رقعہ ہذا [illegible]

[illegible]

داغ دہلوی کا خط باقی کے نام سن ۱۸۹۴ء

راجہ کیشو پرشاد حساب

۱۸۶۵ء — ۱۸۸۸ء

بنسی راجہ کے فرزند اکبر تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد اور سالار جنگ دوم کے مدرسہ عالیہ میں ہم جماعت تھے مددگار محاسب کی خدمت پر معمور تھے۔ راجہ بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا تھا۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے دیوان باغ شاد میں ان کی وفات پر شاد نے جو تاریخ نکالی تھی اس بنا پر یہ پتہ چلتا ہے کہ کیشو پرشاد بھی شاعر تھے۔ یوں تو ان کا کلام دستیاب نہیں ہے۔ ۵ محرم سن ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) کو ہاتھی پر سے گر گئے تھے اور یہی ان کی موت کا سبب تھا۔ باقی کو ان کی ناگہانی موت سے بہت صدمہ پہنچا تھا۔

تخلص حساب غالباً اپنی خدمت سے انس کی بنا پر رکھا تھا۔

حضرت شاد کی نکالی ہوئی تاریخ وفات

وہ میرا دوست جسکا تخلص حساب تھا	وا ویلتا کہ راہی ملک عدم ہوا
تاریخ اس کی شاد نے لکھی یہ فی البدیہ	باقی کا نور چشم صد افسوس مر گیا

(۱۳۰۵ ہجری)

راجہ نرسنگ راج عالی

عالی مرتبت و محب شاد

(۱۸۸۹ء — ۱۹۵۷ء)

نرسنگ راج بتاریخ ۱۴ / نومبر ۱۸۸۹ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے وہ راجہ گردھاری پرشاد باقی کے پانچویں فرزند تھے ۔ زندگی کا ابتدائی دور بہت تکلیف دہ تھا ۔ والد کا سایہ عاطفت بہت کم عمری میں سر سے اٹھ گیا ۔ جب والد کے ہمراہ بنارس گئے تھے تو دوران سفر بعارضہ ہیضہ سخت علیل ہوئے ، موت اور زیست کی درمیانی حالت میں کشمکش کر رہے تھے تب کسی مخلص کے مشورے پر باقی بنارس کے ایک خدا رسیدہ بزرگ مہاتما بھاسکر آنند مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ باقی نے منت کی اور سوامی جی کی دعا سے صحت یاب ہوئے اور بچ گئے ۔

سوامی جی کی حسب تاکید نرسنگ راج کی رسم مکتب خوانی اور شادی بنارس ہی میں ان کے مقدس اور بابرکت ہاتھوں عمل میں آئی ۔ نرسنگ راج کی شادی فبروری ۱۸۹۶ء میں راج رانی دختر رائے کنھیالال ساکن بھوپال سے ہوئی ۔ تقاریب شادی میں مہاراجہ کاشی اسری پرشاد ، مہاراجہ درگا پرشاد راجہ سندیلہ و دیگر معززین مدعو تھے ۔ شادی کے وقت نرسنگ راج بہت کم سن تھے ۔ شادی ایسی دھوم دھام سے رچائی تھی جو راجاؤں کے شایاں شان تھی ۔ بعد شادی کے ۶ ماہ نہ گزرنے پائے تھے کہ جولائی ۱۸۹۶ء میں والد باقی کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔

والی دکن میر محبوب علی خاں کو اس پر الم سانحہ سے افسوس ہوا اور انھوں نے حسب دستور ان کو رسم پرسہ میں سفید دوشالہ سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی تمام خدمات موروثی علاقہ دیوانی اور صرف خاص بحال فرمادیں۔

نرسنگ راج کی والدہ محترمہ نے ان کی تعلیم و تربیت پر بہت خاص دھیان دیا۔ انھوں نے میٹرک تک مدرسہ عالیہ میں اور دیگر السنہ فارسی، ہندی و مرہٹی کی خانگی طور پر باضابطہ تعلیم پائی اور بہت جلد اس پر عبور حاصل کرلیا۔

مدرسہ عالیہ میں نواب تراب یار جنگ سعید، راجہ پرتاب گیرجی، سید علی اکبر سابق پرنسپل نظام کالج پروفیسر ہارون خاں شیروانی جیسی جانی مانی ہستیاں ان کی ہم جماعت رہی تھیں۔

سن ۱۹۰۸ء میں میر محبوب علی خاں نے بموقع دربار جشن جوبلی خسروی راجہ بہادر کا خطاب عطا کیا اور اس عزت افزائی نے انکی شخصی اور خاندان کی عظمت اور عزت کو دوبالا کردیا۔

نرسنگ راج کے چھوٹے بھائی راجہ محبوب راج کی شادی رائے ٹھاکر پرشاد نظم کی دختر سے سن ۱۹۱۲ء میں بہت ہی دھوم دھام سے رچائی اور اپنی بے لوث محبت کا مظاہرہ کیا۔

محبوب راج نے جوانی کے عالم میں ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔ اور اپنے پیارے بھائی کے دل پر ایک ایسا گھاؤ ڈالا جو ساری عمر مندمل نہ ہوسکا۔ بھائی کے سوگ میں عالیؔ نے جو مرثیہ اور قطعات لکھے تھے اسے ارمغاں محبوب کا نام دیا اور طبع کیا تھا اس سے قبل سن ۱۹۲۲ء میں عالیؔ کی شریک حیات نے انھیں چھوڑ کر عدم کا راستہ لیا۔ عالیؔ نے نہایت ہی استقلال سے اس غم کو برداشت کیا۔ اسی دوران عالیؔ نے سوز و غم میں وقت بیکار گنوانے کے بجائے گردھاری پرشاد باقیؔ کی اردو رباعیات کو جو خواجہ میر دردؔ کی فارسی رباعیات کا ترجمہ ہیں یکجا کر کے کتاب کی شکل دی اور "درد باقی درد ساقی" شائع کی۔ اس تصنیف کے پہلے باب میں باقیؔ کی حیات اور ان کے کارناموں کی تفصیل فراہم کی اور اسی کتاب کی بناء پر رام بابو سکسینہ نے "تاریخ اردو ادب" میں باقیؔ کے بارے میں تفصیل سے لکھا تھا۔ اس طرح ڈاکٹر زورؔ "مرقع سخن" میں اور نصیر الدین ہاشمی نے "دکنی، ہندو اور اردو" میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ درد باقی و درد ساقی سے لی گئی ہیں۔

سن ۱۹۱۶ء میں نرسنگ راج دفتر معتمدی افواج سرکاری میں بہ حیثیت مدد گار معتمد اعزازی کام کرتے رہے۔ پھر بعد میں بموجب فرمان رکن کمیشن امور مذہبی کی خدمت پر متعین ہوئے۔ سن ۱۹۱۹ء میں نائب ناظم ٹپہ کی خدمت پر فائیز ہوئے۔ اور ۱۹۴۸ء میں وظیفہ پر سبک دوش ہوئے۔ جس محکمہ میں کام کیا وہاں نیک نامی حاصل کی اور ماتحتین کا اعتماد اور خلوص بھی حاصل کیا۔ اپنے مذہبی عقائید کے بہت پابند تھے۔

نرسنگ راج کو شاعری سے بچپن سے لگاؤ تھا۔ سن ۱۹۲۲ء تک شاعری میں اچھا رنگ جمالیا تھا۔ زیادہ تر رباعیات اور غزل کہتے تھے۔

شاد کے عالی کے خاندان سے مراسم کا پس منظر :- شاد نے بنسی راجہ کے خاندان کی چار پشتوں کو دیکھا تھا۔ شاد نے بنسی راجہ باقی اور ان کے فرزند کیشو پرشاد حساب اور رائے محبوب راج محبوب کی وفات پر تواریخ وفات لکھی تھیں۔

(۱) تاریخ وفات کیشو پرشاد حساب۔ (دیکھے صفحہ نمبر ۴۰)

(۲) تاریخ وفات باقی :

بنسی راجہ چوں پس مردن نہفت	حیف روئے خویش سا زیر زمیں
شاعر شیریں زبان باقی بگفت (۱۳۱۴ہجری)	شاد سال فوت او ہاتف بمن

(۳) تاریخ وفات محبوب:

تمہارا وہ خلق اور علمی لیاقت	تمہاری جوانی تمہاری محبت
تھے محبوب دل تم میں محبوبیاں تھیں	غرض تم میں راجہ بہت خوبیاں تھیں
دیا آپ نے داغ محبوب راجہ (۱۳۵۰ہجری)	تو اس وقت اے شاد ہاتف یہہ بولا

اور جب راجہ نرسنگ راج کو پوتا ہوا تو خوشی سے مبارکباد کی تاریخ نکالی تھی ملاحظہ ہو۔

برکت اس نام کی ہے یہ جو سہارا نکلا	بنسی راجہ کا ہے نام جہاں میں باقی
اوج جاوید سعادت کا ستارا نکلا	ان کے فرزند کو پوتا ہوا لکھ سال یہہ شاد

شائد اس کا پس منظر تھا کشن پرشاد کی وراثت۔ راقم نے راجہ نرسنگ راج عالی کی زبانی بار بار مختلف اصحاب کو یہ قصہ سناتے ہوئے سنا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ امراء عظام

کی وفات پر شاہی حکم نامہ کے بعد ہی آخری رسومات انجام پاتی تھیں ۔ چنانچہ جب مہاراجہ نریندر پیشکار سلطنت آصفیہ کا انتقال ہوا تب مہاراجہ نریندر کو فرزند نہیں تھا ۔ نواب خورشید جاہ جو محبوب علی پاشاہ کے بہنوئی بھی ہوتے تھے مشورہ دیا کہ مہاراجہ نریندر کو چونکہ فرزند نہیں ہے اس لیے ان کی چتا کو آگ دینے کیلئے کسی برہمن کو مقرر کیا جائے ۔ جیسے ہی اس کی اطلاع بنسی راجہ کو ہوئی تو انہوں نے فوراً محبوب علی پاشاہ کو مشورہ دیا کہ مہاراجہ نریندر کی آخری رسومات کشن پرشاد انجام دیں ۔ کیونکہ دھرم شاستر کے لحاظ سے اگر بیٹا نہیں ہے تو نواسہ چتا کو آگ لگانے کا حق دار ہے ۔ دھرم شاستر کے لحاظ سے جو چتا کو آگ لگاتا ہے وہ وارث قرار پاتا ہے ۔ چنانچہ محبوب علی پاشاہ نے بنسی راجہ کا مشورہ منظور کر لیا ۔

دراصل خورشید جاہ کچھ حد تک متعصب شخص تھے اور اس کے علاوہ مہاراجہ نریندر سے ان کے شخصی تعلقات خوشگوار نہیں تھے ۔ اس لیئے وہ یہہ چاہتے تھے کہ خدمت پیشکاری جو مہاراجہ چندولال کے عہد سے اس خاندان میں موروثی طور پر چلی آرہی تھی وہ ختم کردی جائے ۔

لیکن بنسی راجہ جو دھرم شاستر سے بخوبی واقف تھے فوراً حکمراں سے رجوع ہو کر کشن پرشاد کو ان کا حق دلوایا تھا ۔ شاد کو اس واقعہ کا پورا احساس تھا ۔ ایک خط میں بنام رائے نرہر راج اس بارے میں اشارہ بھی کیا ہے شاد نے لکھا تھا :

"فقیر کو یاد کرنا اس خاندان کی خصوصیات ہیں جن سے فقیر کا قلب آگاہ ہے

(پورا خط ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۹۲)

عالی کو کشن پرشاد کی شخصیت سے والہانہ لگاؤ تھا ۔ میر عثمان علی خاں ۱۹۱۱ ء میں تخت نشین ہوئے اس وقت مہاراجہ صدر اعظم تھے ۔ لیکن عثمان علی خاں نے ۱۹۱۲ ء میں مہاراجہ کو صدارت اعظمی سے بغیر کسی وجہ کے برخواست کردیا ۔ یہہ ان کی طفلانہ حرکت تھی ۔ یہی نہیں بلکہ مہاراجہ سے ملنے جو بھی امیر و رئیس جاتے تھے ان کے بارے میں مخبری لنگ کوٹھی کے جاسوس کیا کرتے تھے ۔ اس ماحول کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نرسنگ راج اور ان کے چھوٹے بھائی محبوب راج ایوان شاد میں روزانہ حاضری دیا کرتے تھے وہ صرف اس لیئے کہ مہاراجہ سے جو عقیدت اور خلوص تھا وہ انھیں وہاں کھینچ کر لے جاتا تھا ظاہر ھیکہ دوران عتاب

غزل

در مدح سری سچدانند سنگرو داُپاسنی باباجی مہاراج

غریبوں کے ہو دیا دان اُپاسنی بابا
برجہ کے ہو تم ہی شان اُپاسنی بابا

کرشن روپ تم ہی ہو۔ تم ہی ہو رام سروپ
سر و جگ کے ہو تم جان اُپاسنی بابا

دوئی کو میٹ کے تم ایک ہو گئے ہو پربھو
تمہاری شان کے قربان اُپاسنی بابا

ہندو ہوں کہ مسلمان پارسی کہ یہود
تمہارا کرتے ہیں سب مان اُپاسنی بابا

شرن میں آپ کے پڑا ہے تمہارا شادو فقیر
کچھ اُس کو دیجیئے اب دان اُپاسنی بابا

شاہی میں مہاراجہ سے نہ تو کسی عہدہ پر فائز ہونے کی خواہش تھی۔ اور نہ کسی مدد کی۔

مہاراجہ کو صدارت اعظمیٰ سے ہٹائے جانے کا ملال تھا اور یہ بھی خواہش تھی کہ پھر سے وہ صدر اعظم مقرر ہوں۔ اس کیفیت میں وہ نجومیوں اور فقیروں سے ربط اور مشورہ کیا کرتے تھے۔ مہاراجہ کی تشویش کو مٹانے کیلئے نرسنگ راج نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ وہ روحانی بزرگان دین کی خدمت میں جائیں کیونکہ نرسنگ راج شیرڈی کے سائیں بابا اور ان کے جانشین اپاسنی مہاراج اور پونا کے قریب کیڈگاؤں میں رہنے والے نارائین مہاراج کے آشرم پابندی سے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ مہاراجہ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اس طرح ایک بے لوث انسانی رشتے کی شروعات ہوئی جو زندگی بھر برقرار رہا۔ رفتہ رفتہ مہاراجہ کے خانگی اور ذاتی معاملات میں بھی نرسنگ راج مددگار و معاون بنے اور مہاراجہ کی ذات سے اتنے قریب ہوگئے تھے کہ عام اور خاص سب ہی لوگ یہہ مانتے تھے کہ نرسنگ راج مہاراجہ کے قریبی رشتہ دار ہیں جو سراسر غلط تھا۔

شریک حیات کے انتقال کے بعد نرسنگ راج دوسری شادی کرنے اس لیئے تیار نہیں تھے کہ وہ اپنی اولاد کی بھلائی اور پر سکون زندگی کے خواہاں تھے۔ انھیں تین صاحبزادے تھے۔ نرہر راج، شام راج اور رام راج۔ مہاراجہ نے بہت اصرار کیا کہ وہ دوبارہ شادی کرلیں اس سے ناخوش ہوکر نرسنگ راج نے مہاراجہ کے پاس جانا بند کردیا لیکن مہاراجہ نے بلوایا جس کا ذکر عالی نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

تم نے چاہا مجھے بڑھایا مجھے اپنا کرکے گلے لگایا مجھے
میں نہ آیا تو پھر بلایا مجھے حال دل کا سبھی سنایا مجھے

ڈاکٹر زور نے بھی لکھا ہے:

"عالی مہاراجہ کشن پرشاد کے مقرب خاص اور رفیق تھے۔ مہاراجہ بھی انھیں عزیزوں کی طرح چاہتے تھے۔ مہاراجہ کی کوئی محفل عالی سے خالی نہیں ہوتی"۔

مہاراجہ مئی ۱۹۴۰ء میں سخت علیل ہوئے۔ دوران علالت بے ہوشی کے عالم میں صرف عالی کو ہی یاد کرتے تھے۔ اس کا بھی ذکر عالی نے اپنے مرثیے "حضرت شاد اب کہاں عالی" میں اس طرح سے کیا ہے:

بے ہوشی میں بھی میرا نام لیا　　آپ نے یہ ثبوت خاص دیا
میں نے کچھ کام آپ کا نہ کیا۔　　ایک محبت کا جام تھا کہ پیا

اس سانحے کا عالی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اور ہر سال عالی (تمام عمر یہاں تک کے وفات سے ایک ماہ قبل تک) مہاراجہ کی یاد میں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ حسب روایت ایوان شاد کا مشاعرہ طرحی ہوتا تھا۔ مشاعرے کا پہلا دور فارسی میں اور دوسرا دور اردو میں ہوتا تھا۔ طرح مصرع کے لیے مہاراجہ کے کلام سے کوئی شعر منتخب کیا جاتا تھا پہلے چند سال مشاعرہ ڈیوڑھی مہاراجہ کے دیوان خانہ میں اور پھر جب یہ دیوان خانہ نہ رہا تو عالی اپنی رہائش گاہ یعنے ڈیوڑھی بنسی راجہ میں منعقد کرتے تھے۔ دیوان خانے میں فرش اور قالین بچھائے جاتے مہاراجہ کی قد آدم تصویر کی گل پوشی ہوتی تھی۔ شعرائے کرام کو دعوت سخن دینے کیلئے جو ناموں کی ترتیب ہوتی تھی اس کا بھی ایک دستور تھا یعنے معیار شاعری۔

عالی نے اپنے فرزند نرہراج ساقی کو کبھی کسی اور شاعر پر ترجیح نہیں دی یعنے ساقی مشاعرہ پڑھنے والے شعراء میں سب سے جونیر ہی رہے۔ باوجود اس کے کہ ساقی بہت سے دوسرے شعراء سے اونچا مقام رکھتے تھے۔

شاد کا یادگاری مشاعرہ حیدرآباد کے مشاعروں کی تاریخ کا ایک باب ہے۔ اس کا اعتراف زور صاحب بھی اس طرح سے کرتے ہیں۔

" عالی مہاراجہ کی وفات کے بعد ان کی یاد میں ہر سال ایک عالیشان مشاعرہ منعقد کرتے رہے۔ اور وضع داری قدر دانی کمال اور ذوق علم و ادب میں مہاراجہ کے جانشین معلوم ہوتے ہیں " مہاراجہ سے عالی کو جو غیر معمولی عقیدت تھی اس کا اندازہ عالی کے کلام میں صاف جھلکتا ہے جو انھوں نے متعدد اشعار میں کہے ہیں۔

مہاراجہ کے انتقال کے بعد مجلہ عثمانیہ یعنے عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کا (اردو میگزین) کا خاص شمارہ مہاراجہ نمبر شائع ہوا تھا۔ مہاراجہ عثمانیہ یونیورسٹی کے پرو چانسلر بھی تھے اور طلبا میں عثمان علی خاں سے کہیں زیادہ ہر دلعزیز تھے۔ عالی کا مقالہ بہ عنوان "حضرت شاداب کہاں عالی" اس مجلے میں چھپا تھا عالی نے اس مقالے میں مہاراجہ کی زندگی کے ہر پہلو

مہاراجہ کشن پرشاد اور سوامی رام یوگی مہاراج (جنم اسٹمی) ۱۹۳۵ء
تصویر میں عالی دائیں جانب اور ساقی بائیں جانب دیکھے جاسکتے ہیں۔

اور خاندان کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس مقالے کو حال کے ریسرچ اسکالرس نے بہ طور Reference کام میں لایا ہے۔

عالیؔ کا ایک مرثیہ بہ عنوان "حضرت شادؔ اب کہاں عالیؔ" اور قطعات جو مہاراجہ کی یاد میں لکھے گئے تھے حصہ نظم میں شامل کئے گئے ہیں۔ یہ مرثیہ نہ صرف مہاراجہ کو خراج عقیدت ہے بلکہ عالیؔ کے جذبات غم اور خلوص کی پوری ترجمانی بھی کرتا ہے مہاراجہ اور عالیؔ کے درمیان جو نزدیکی تھی اس بارے میں ایک اور دلچسپ واقعے کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ اس زمانے میں پلانچٹ بڑے اور چھوٹے گھرانوں کے دیوانخانوں میں نظر آتا تھا۔ پلانچٹ یعنے ایک پان نما خوبصورت لکڑی کا ٹکڑا جو ایک پینسل اور دو چھوٹے پہیوں کے سہارے کاغذ پر سوال کے جواب تحریر کرتا تھا۔
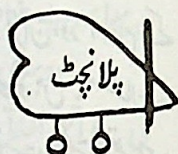
پلانچٹ

پلانچٹ پر کسی بھی مرحوم شخص کی روح کو بلاکر اس سے سوالات کیئے جاتے تھے۔ اور جواب اسی زبان میں ملتا تھا جس زبان میں سوال پوچھا جاتا تھا۔ پلانچٹ پر صرف ہاتھ رکھنے سے وہ حرکت پذیر ہوتا تھا۔ پلانچٹ کا شوق عالیؔ کو اور شادؔ کو بھی تھا ایک شام کے وقت عالیؔ کے گھر پر پلانچٹ پر خواجہ اجمیری کو دعوت دی گئی تھی۔ عالیؔ معرفت کے سوالات کرتے رہے اور جوابات بھی آتے رہے۔ اس دوران مہاراجہ کا فون آیا۔ اس دور میں Chordless Phone نہیں تھے اور نہ ہی دو یا تین فون گھر کے ہر حصے میں رکھنے کا طریقہ تھا۔ جہاں پلانچٹ چل رہا تھا وہاں سے فون کافی دوری پر تھا جب عالیؔ مہاراجہ سے بات کرنے کے لیئے اٹھے تو فوراً خواجہ صاحب نے لکھا کہ میرے دربار میں نہ کوئی مہاراجہ ہے اور نہ ہی شاہ تم فوراً بیٹھ جاؤ یہاں سے ہرگز ہٹنے کی گستاخی نہ کرنا۔ چنانچہ نرہر راج فرزند اکبر عالیؔ نے مہاراجہ کو فون پر سب کچھ بتلا دیا اور عرض کیا خواجہ صاحب پلانچٹ سے جب چلے جائیں گے تب عالیؔ ضرور فون کریں گے۔ (صفحہ ۵۱)

مہاراجہ نے یہ سن کر فون تو رکھدیا لیکن کچھ ہی دیر بعد ڈیوڑھی نرسنگ راج تشریف لائے۔ جیسے ہی مہاراجہ کے آنے کی اطلاع ملی، عالیؔ نے اٹھ کر شیروانی اور دستار پہننے کی کوشش کی۔ کیونکہ عالیؔ نے مہاراجہ کے سامنے کبھی بھی ننگے سر یعنے بغیر دستار پہنے حاضری

نہیں دی تھی پھر ایک بار خواجہ صاحب نے اپنی تاکید دہرائی۔ مجبوراً عالیؔ نہ شیروانی پہنے اور نہ ہی دستار البتہ جو دوشالہ پاس میں تھا اسے فوراً سر پر بطور پگڑی باندھ لیا۔ مہاراجہ بھی اس محفل خواجہ میں شامل ہوگئے اور اس طرح نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز۔ آج کل کی نسل کو اگر یہ قصہ سنایا جائے تو شائد یہ ایک فسانہ سا لگے۔ عالیؔ نے ان سوالات اور جوابات کو اپنے فرزند زبہرراج سے بر موقع قلمبند کروا دیا تھا جو آج بھی محفوظ ہے۔ (صفحہ نمبر ۵۱)

شادؔ صوفی منش اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے چنانچہ ہر مذہب کا احترام کرتے تھے۔ قرآن شریف کی آیتیں ان کی زبان سے پھول کی طرح ٹپکتی تھیں اور قرآن اور اسلام کے بارے میں ان سے گفتگو کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان۔ بعض علماء سے جن میں خواجہ حسن نظامی بھی تھے۔ مہاراجہ سے بہت قربت رکھتے تھے اس کے علاوہ مہاراجہ کا نکاح بھی ایک مسلم خاتون سے ہوا تھا اور اس رشتے سے مہاراجہ کو اولاد نرینہ بھی تھی۔

اس پس منظر میں عالیؔ کو یہہ احساس ہوا تھا۔ کہیں مہاراجہ کے انتقال کے بعد ان کی تجہیز و تکفین کو لیکر ایک مسلہ یا جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔ اور عالیؔ یہ کبھی نہیں چاہتے تھے۔

عالیؔ ویدانت یعنے ہندو معرفت کے پختہ اور سنجیدہ پیرو کار تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک خط مہاراجہ کو لکھنے کی اخلاقی جراءت کی اور مہاراجہ سے درخواست کی وہ عالیؔ کو ہدایت اور تاکید کردیں کہ مہاراجہ کی آخری رسومات کس مذہبی دستور سے انجام دی جائیں۔ مہاراجہ نے اس خط کا جواب دیا جو عالیؔ کے پاس برسوں محفوظ رہا۔

چنانچہ جو خدشہ تھا اس کے کچھ آثار مہاراجہ کے انتقال کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے۔ عالیؔ نے یہہ خط ہوش یار جنگ جو میر عثمان علی خاں کے خاص مقرب تھے کو دے دیا۔ یہہ ریاست حیدرآباد کا دستور تھا کہ امرائے و عظام کے زمرے میں آنے والے رئیس کی آخری رسومات کیلئے شاہی فرمان یا اجازت نامہ اجراء ہوتا تھا۔

جب اس خط کی اطلاع عثمان علی خاں تک ہوش یار جنگ نے پہنچادی تو پھر شاہی فرمان جاری ہوا کہ مہاراجہ کی آخری رسومات ہندو دھرم شاستر کے لحاظ سے انجام پائیں۔ اس

واقعہ کا ذکر دو وجوہات کی بنا پر کیا جا رہا ہے ۔ (۱) دور حاضر کے مشہور مورخ جو ریاست حیدر آباد میں سکریٹری بھی تھے، پدم بھوشن سیتو مادھو راؤ پگڑی نے ایک بار نرہر راج ساقی (یہ دونوں ہم جماعت تھے پونا کے نیو انگلش اسکول میں) سے دریافت کیا تھا کہ مہاراجہ کی آخری رسومات کے بارے میں پڑوسی ملک کے ایک رسالے میں بحث چھڑی تھی جس میں عثمان علی خاں پر یہ الزام تھوپا گیا تھا کہ شاد جو مسلمان تھے ان کی آخری رسومات ہندو دھرم شاستر کے لحاظ سے انجام پائیں کیونکہ عثمان علی خاں نے ہندوؤں سے ڈر کر اجازت دی تھی ۔ یہ سراسر بے بنیاد اور شر انگیز ہے ۔

دوسری وجہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ شائد آج کل ایسی ہستیاں بہت کم نظر آئیں گی ۔ جو اتنی اخلاقی جراءت کر سکیں کہ اپنے سے بہت اعلیٰ مرتبت شخصیت سے ایسے نازک مسئلے پر لکھ کر استفسار کرنے کی ہمت کریں ۔

مجھے یہہ لکھتے وقت اس بات کا مکمل احساس ہے کہ اس واقعہ کو بے بنیاد اور من گھڑت کہانی بتلانے کیلئے بہت سے مورخ اور سیاست داں نہ صرف سامنے آجائیں گے بلکہ طرح طرح کی نکتہ چینی بھی کر سکتے ہیں ۔ یہہ راز عالی اور شاد کے درمیان راز ہی رہا ۔ اور منظر عام پر نہیں لایا گیا تھا ۔

عالی کی شخصیت : شہر حیدر آباد اور شائد ریاست حیدر آباد کی دو سے زائد نسلوں نے فلسفہ، تصوف، علم شعر و سخن نہ صرف اردو بلکہ ہندی ۔ فارسی اور مراہٹی سے دلچسپی ۔ سماج سدھار اور ان سب سے اہم انسان دوستی اور پریم و محبت کو یکجا دیکھا تھا تو ان شخصیتوں میں سے ایک نرسنگ راج عالی تھے جو محفلوں کو سرگرم رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے ۔ کیونکہ وہ راجہ بہادر کا خطاب پا کر بھی شاہی خاندان سے بہت دور کا واسطہ رکھتے تھے اور نہ سیاسی یا مذہبی رہنما تھے ۔ لیکن ایک مدبر اور دانشمند شخصیت کے مالک ہونے کے ناطے صدر محفل ہوتے ہوئے بھی ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکتی ہوئی پیشانی ۔ انکساری اور پریم کیساتھ بڑے اور چھوٹے امیر و غریب عالم اور ان پڑھ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر فرد کا سلام قبول کرنے کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے اور اس طرح اپنے اخلاق اور محبت کا سکہ پیوست کر دیتے تھے ۔ ان کی محفل اور گھر کے دروازے

ہر فرد کیلئے کھلے تھے ۔ شائد آج کوئی ایسی محفل اور صدر محفل ڈھونڈنے پر بھی نہ ملے ۔

جب عالیؔ کا تقرر محکمہ ٹپہ میں ہوا تھا وہ دور عثمانی کا ایسا دور تھا جبکہ دس ہزار روپے نذرانہ داخل کرنے پر تعلقداری کا عہدہ یا جو رقم نذرانہ بہ لحاظ عہدہ مقرر تھی داخل کردی جاتی تو فرمان کے ذریعے تقرر عمل میں آجاتا تھا ۔ چنانچہ راجہ اندر کرن نے جو صوبے دار میدک تھے ۔ اور عالیؔ کے خاص دوست بھی عالیؔ کو مشورہ دیا کہ وہ نذرانہ داخل کریں اور اونچے عہدے حاصل کریں کیونکہ عالیؔ کے خاندان کے وقار کے اعتبار سے انھیں اعلی عہدہ حاصل کرنا ضروری ہے ۔ عالیؔ نے اس مشورے کو بالکل نظرانداز کردیا ۔ اور کبھی نہ رشوت دی اور نہ کسی بھی شخص کو ایسا کرنے کا مشورہ دیا ۔

۱۹۲۶ء کے بعد ریاست حیدرآباد کے سیاسی اور تہذیبی ماحول میں بہت تیزی سے تغیر آنے لگا تھا ۔ ادبی اور سماجی ماحول تعصب سے پراگندہ ہونے لگا تھا اور آزاد حیدرآباد کے نعرے بلند ہونے لگے تھے اور شاہ عثماں پر خلیفہ بننے کا جنون سوار ہورہا تھا ۔ ایسے ماحول کی پرواہ کئے بغیر عالیؔ جو یگانگت اور ہندوستانی تہذیب کے ان نمائندوں میں سے تھے جو ذاتی مفاد اور تعصب کو کبھی بھی فروغ ہونے نہیں دیتا تھا ، اپنی ڈیوڑھی میں ایسی محفلیں سجایا کرتے تھے جس سے یگانگت اور خلوص مستحکم ہوسکے ۔ چنانچہ بھگوان کرشن کے جنم دن جنم اشٹمی کے سلسلے میں وہ ہمیشہ ایک جلسہ کرتے تھے جس میں جانی مانی ہستیاں بھگوان کرشن کی تعلیمات پر روشنی ڈالنے کے لیے مدعو کی جاتی تھیں ۔ ۱۹۲۸ء میں عالیؔ نے نواب اکبر یار جنگ کو مدعو کیا ۔ اس جلسے کا آغاز مہاراجہ کے نغمے سے ہوا تھا جو انھوں نے اس موقع کے لیئے بہ طور خاص قلمبند کیا تھا ۔ (اکبر یار جنگ عدالت العالیہ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے تھے) اکبر یار جنگ نے بھگوان کرشن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھیں کرشن علیہ السلام بتلایا ۔ جلسہ بے حد کامیاب رہا جس میں ہندوں کے علاوہ کثیر تعداد میں مسلم دوست اور احباب بھی شریک تھے ۔

جب اس کی اطلاع عثمان علی خاں کو پہنچ گئی تو شاہی غصہ عالیؔ پر اترا ۔ اور عالیؔ کو تاکید کی گئی کہ وہ آئندہ سے اس قسم کی محفلیں منعقد نہ کریں ۔

عالیؔ کی کاوشوں کو جو مشترکہ روایات اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیئے کی جارہی

تھیں ضرور دھکا لگا۔

عالیؔ اپنے والد باقیؔ کے تعمیر کردہ مندر کیشو گیری کی جاترا بہت دھوم دھام سے کرتے تھے ۔ جاترا میں مدعو حضرات میں مسلم دوستوں کی بھی کافی تعداد ہوتی تھی یہاں تک کہ نواب بہادر یار جنگ اور ان کے بھائی ماندور خان بھی (۱۹۴۵ء سے قبل) شرکت کرتے تھے۔ مہاراجہ تو مہمان خصوصی ہوا کرتے تھے ۔ غرض کہ مذہبی تقریب کو ایک معاشرتی یا سماجی ماحول میں انجام دیا جاتا تھا۔ کیشو گیری کی جاترا کے دن شہر حیدر آباد کے تمام دفاتر کو آدھے دن کی تعطیل دی جاتی تھی۔

حیدر آباد شہر کی تہذیبی زندگی میں جاتراؤں ، عرسوں اور میلوں کی خاص اہمیت تھی۔ اس لیئے کے دونوں فرقوں کے لوگ اس میں شرکت کر کے اپنا پن ، یگانگت و یک جہتی کو قائم رکھنے اور اسے آگے بڑھانے میں خوشی محسوس کرتے تھے ۔ عالیؔ کے علاوہ اور بھی شخصیتیں ایسی تقاریب کا اہتمام کرتی تھیں ۔ مہاراجہ کشن پرشاد الوال کی جاترا انجام دیتے تھے ۔

ایوان شادؔ میں ایک طرف نرسنگ راج اور ان کے چھوٹے بھائی محبوب راج کی جوڑی تو دوسری طرف بہادر یار جنگ اور ماندور خاں بھائیوں کی جوڑی ضرور موجود رہتی تھیں۔

بہادر یار جنگ کے والد کے انتقال کے بعد دونوں بھائیوں میں تقسیم جائیداد پر شدید اختلافات ہوگئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عدالت میں دعوی کی تیاری شروع ہو چکی تھی ۔ جب اس کی اطلاع مہاراجہ تک پہنچی تو انھوں نے فوراً دونوں بھائیوں کو بلوایا اور سمجھایا کہ ایسا کرنا نامناسب اور طفلانہ حرکت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ راجہ نرسنگ راج بہ حیثیت ثالث دونوں کے اختلافات دور کرنے میں ان کی رہبری کریں گے ۔ دونوں بھائیوں نے مہاراجہ کی بات مان لی ۔ راجہ نرسنگ راج نے بہ حیثیت ثالث واجب اور قابل قبول حل نکالا۔

اس واقعے کے بعد بہادر یار جنگ اور ماندور خاں دونوں عالیؔ کو اپنا بڑا بھائی مان کر عزت کرتے تھے اور برادرانہ تعلقات قائم رکھے۔

شائد ۱۹۴۵ء کی بات ہے مسٹر محمد علی جناح حیدر آباد آئے تھے ۔ بہادر یار جنگ نے ان کے اعزاز میں عصرانہ دیا تھا ۔ راجہ نرسنگ راج کو بھی مدعو کیا ۔ چونکہ بہادر یار جنگ یہہ

اچھی طرح جانتے تھے کہ راجہ نرسنگ راج سیاست دانوں سے بالکل بے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیئے انھوں نے اصرار کیا کہ عالؔی ضرور آئیں۔ مسٹر جناح سے عالؔی کا تعارف کراتے ہوئے بہادر یار جنگ نے کہا کہ "میں نے ان سے اتحاد کا سبق سیکھا ہے"

عالؔی ہر وقت مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کی مدد کے لیئے تیار رہتے تھے۔

پولیس ایکشن کے بعد حکومت حیدرآباد نے منصب داری نظام کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ منصب داروں کی معاش بند کرنے کے لیئے بل قانون ساز اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا۔ حیدرآباد کے سینکڑوں منصب دار پریشان ہوگئے۔ منصب داروں نے عالؔی سے التجا کی کہ وہ کچھ کریں۔ اس دوران عالؔی نے متعلقہ وزیر جناب رنگا ریڈی سے ملاقات کرکے ان سے التجا کی کہ آپ ضرور منصب داری کو ختم کیجیئے لیکن جو منصب دار ساٹھ سال سے زائد عمر کے ہیں ان کا منصب جاری رکھنے کی گنجائش بل میں رکھیں۔ رنگا ریڈی نہیں مانے۔ عالؔی نے ہائی کورٹ میں رٹ داخل کرنے کی ٹھان لی تھی اس دوران جواہر لال نہرو حیدرآباد تشریف لائے۔ عالؔی نے منصب داروں کا ایک وفد لیکر نہرو سے نمائندگی کی اور نہرو کو بتلایا کہ جو منصب دار ساٹھ سال سے زائد عمر کے ہیں ان کا منصب جاری رکھنا کیوں اور کس وجہ سے ضروری ہے۔ نہرو نے اس تحریک کی معقولیت کو محسوس کیا اور حکومت حیدرآباد کو مشورہ دیا کہ اس مانگ کو قبول کرلیا جائے۔ اس طرح عالؔی نے بلالحاظ مذہب و ملت منصب داروں کی بے لوث خدمت کی اور ان کو معاشی تکالیف سے بچانے میں اہم رول ادا کیا۔

۱۹۵۲ء میں سارے دیش میں پہلی بار عام انتخابات منعقد کیے گئے۔ رام کشن راؤ سابق گورنر اتر پردیش اور مہدی نواز جنگ سابق گورنر گجرات نے دونوں ہی عالؔی کے خاص دوستوں میں تھے۔ (رام کشن راؤ مہاراجہ کے اسٹیٹ کے وکیل تھے) مہدی نواز جنگ نے مہاراجہ کی سرپرستی میں اپنی ترقی کی منزلیں طے کیں تھیں۔ ان دونوں نے عالؔی کو مشورہ دیا کہ وہ کانگریس پارٹی کے رکن بن جائیں اور الکشن میں حصہ لیں۔ عالؔی نے ہمیشہ سیاست سے گریز کیا۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ سیاسی میدان کے وہ کھلاڑی نہیں ہیں۔ عالؔی ایک شاعر، ادیب اور صوفی منش انسان تھے۔ شاعروں اور مہاتماؤں کی محفلوں کو سیاست سے زیادہ گراں قدر مانتے تھے۔ اسی لیئے وہ مشاعروں،

عالموں کی صحبت ہو یا صوفیوں کا اجتماع ہر ایک میں اسی رنگ سے شرکت کرتے تھے کہ ان میں اور دوسرے شریک محفل میں کوئی فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے والد باقی کی طرح سب لوگوں کی مدد کرنے اور ان کو کچھ نہ کچھ دینے کے میں ہی خوش ہوتے تھے۔ زور صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"عالی تو اس وقت حیدر آباد کے پختہ مشق شعراء میں شمار ہوتے ہیں اور اپنے والد بنسی راجہ کی طرح شاعروں اور ادیبوں کے سرپرست اور قدر دان ہیں۔" مختصر یہہ کہ عالی وسیع النظر وطن پرست خلوص و یگانگت یک جہتی، صداقت اور انسان دوستی کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے جس ڈھانچہ میں وہ ڈھلے اور جس مٹی کی خوشبو کو اپنے میں سمائے ہوئے تھے شائد اب وہ میسر نہیں ہے۔

عالی بہ حیثیت شاعر:-

زور صاحب کے الفاظ میں "عالی اس عہد کے صاحب ذوق شاعر ہیں اور استاد سخن ہیں فارسی اور ہندی میں بھی شعر کہتے ہیں۔ نظم اردو اور نثر دونوں پر قادر ہیں۔" عالی کا ذوق سخن الوان شاد کی صحبتوں میں پھلا پھولا تھا۔ اس لیئے یہ نہ تو ادب میں شہرت حاصل کرنے کے لیئے تھا اور نہ ہی سیاست اور خوشامد کے لیے تھا۔ اس لیے شہرت سے بالکلیہ بے نیاز رہا۔ اس پس منظر میں عالی نے کبھی بھی عام مشاعروں میں مشاعرہ نہیں پڑھا۔ الوان شاد کے بعد وہ جلیل منزل کے مشاعروں میں شرکت کرتے یا پھر اپنی ڈیوڑھی میں منعقدہ مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔ دراصل ان کی ڈیوڑھی ایک رہائش گاہ نہیں بلکہ تہذیبی اور ادبی مجلسوں کا مرکز تھی۔ اور یہ پرمپرا ان کے والد باقی کے زمانے سے چلے آرہی تھی۔

عالی استاد امام الفن جلیل کے شاگرد تھے۔ جس طرح باقی کو استاد کل فیض کے شاگردوں میں خاص مقام حاصل تھا۔ اسی طرح عالی کو بھی نصیب ہوا۔ حضرت جلیل کے شاگرد شاد اور میر عثمان علی خاں بھی تھے۔

میر عثمان علی خاں غالباً جلیل صاحب کو ماہانہ 300 روپے نذرانہ بھیجا کرتے تھے۔ لیکن مہاراجہ ماہانہ 500 روپے بہ توسط عالی روانہ کرتے تھے۔ اس کی خاص وجہ یہہ تھی کہ

شاد یہہ نہیں چاہتے تھے کہ یہہ بات عثمان علی خاں تک پہنچ جائے اور خواہ مخواہ حضرت جلیل پر مصیبت آپڑے۔ اس امر سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ شاد کو عالی پر کس قدر اعتماد تھا۔

عالی صاحب دیوان شاعر تھے۔ وہ زیادہ تر غزل، رباعیات اور قطعات کہتے تھے۔ ایک طویل نظم جمہوریہ ہند کی تاسیس پر لکھی اور ایک مرثیہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی یاد میں اور ایک اپنے پیارے بھائی محبوب راج محبوب کے غم میں۔ عالی نے اپنے کلام کو چھپوانے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ عالی کا مختصر کلام اس پیش کش میں شامل کیا گیا ہے۔ تاکہ منظر عام پر آئے۔

عالی کے کلام میں نزاکت اور خیالات کی بلند پروازی، ایک بہترین شاعر ہونے کا ثبوت ہے۔ رباعیات اور دیگر کلام میں معرفت کا رنگ جھلکتا ہے جس کا اندازہ ذیل میں دیئے ہوئے نمونۂ کلام سے بخوبی ہوسکتا ہے:

شوکت رہتی ہے اور نہ ثروت رہتی منصب رہتا ہے اور نہ خدمت رہتی
عالی رہتا ہے نیک نام انسان جو نیک عمل ہیں ان کی شہرت رہتی

ooo

اعلی ہے وہی جس کے صفات ہوں اعلا نیکی سے پڑا ہو سابقہ اور پالا
عالی یہہ اقوال بزرگان ہے قطعی اولاد سے بڑھکر ہے عمل کا درجا

غزلیات میں کہیں کہیں حضرت داغ کا رنگ نمایاں ہے۔

زبان کی شوخی اور مضمون کی ندرت قابل توجہ ہے اس غزل پر غور کیجیے۔

سر بھی سودائے محبت میں دیا جان بھی دی کس گرانی سے ہوا دیکھئے سودا اپنا
وہ گھڑی کیسی مبارک تھی خدا پھر لائے روٹھنا ان کا شب وصل منانا اپنا
یاد میں کس کی ہوا حال یہہ تیرا عالی گم ہوا یوں کہ پتہ آپ نہ پایا اپنا
ایک دیوانہ تھا جو آپکے گھر سے نکلا کچھ خبر بھی ہے کہ تھا کون، کدھر سے نکلا
خاکساری سے ہوا کام وہ اپنا عالی اہل دنیا کا نہ جو سیم سے زر سے نکلا

غزلیات عموماً مرصع اور پائے کی ہیں۔ عالی کی طبیعت کی روانی اور شاعرانہ کمال کا اندازہ ان کے کلام سے کیا جاسکتا ہے۔ جو اگلے صفحات پر پیش ہے۔

مہاراجہ کی لاش کو ہندو پرمپرا کے لحاظ سے زمین پر لٹایا گیا سن ۱۹۴۰ء
تصویر میں مہاراجہ کے اراکین خاندان کے ساتھ عالی دیکھے جاسکتے ہیں۔

عالی نے شاد کا یادگاری مشاعرہ منعقد کرنے کمیٹی تشکیل دی۔ ۱۹۲۱ء

اراکین کمیٹی۔ مشاعرہ یادگار شاد

عالی بہ حیثیت نثر نگار :۔ عالی نہ صرف ذوق سخن رکھتے تھے بلکہ وہ بہترین نثر نگار بھی تھے ۔ انھوں نے "درد باقی و درد ساقی" کا جو دیباچہ لکھا ہے وہ اس قدر سلجھا ہوا ہے کہ جس سے زبان پر ان کی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح عالی نے مہاراجہ پر جو مقالہ لکھا تھا اس کا ذکر پچھلے صفحات پر درج ہے ۔ اسی طرح "ارمغان محبوب" میں بھی ان کی نثر کا نمونہ ملتا ہے ۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد کی سوانح حیات مرتب کرنے کیلئے حکومت حیدر آباد نے جو کمیٹی بنائی تھی ۔ عالی اس کے رکن تھے ۔

عالی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے رہے ۔ چنانچہ وہ بھارت کے اہم تیرتھ استھانوں جیسے کاشی، متھرا، ایودھیا، گیا، الہ آباد، تروپتی، کانچی پورم، رامیشورم کی یاترا کی تھی ۔ حیدر آباد میں کسی بھی مہاتما یا بزرگ ہستی کی تشریف آوری پر وہ اپنے یہاں انھیں ضرور مدعو کرتے تھے ۔ بزرگان دین کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے ۔ ۱۹۲۱ء میں شیرڈی کے سائیں بابا سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا ۔ سائیں بابا کے جانشین اپاسنی مہاراج سے والہانہ لگاؤ تھا ۔ ہر سال دو مرتبہ "اپناسنی مہاراج" کے درشن کے لیے جاتے تھے ۔ اپناسنی مہاراج کو حیدر آباد سے صرف ۴ میل دور آشرم بنانے کے لیے قریب ۴۰ ایکڑ زمین دان میں دی تھی ۔

عالی کے اپنے ہم عصر شعرا سے خاص مراسم تھے جن میں قابل ذکر ہیں ۔

جوش ملیح آبادی، فانی بدایونی، تراب یار جنگ سعید، صفی اورنگ آبادی، حضرت بیگم جذب عالم پوری اور حیرت بدایونی وغیرہ وغیرہ

عالی خاص طور سے جذب عالم پوری کی بہت قدر کرتے تھے ۔ جذب عالم پوری سنسکرت، کنڑ، ہندی، فارسی اور اردو کے عالم تھے ۔ جذب نے راجہ بھرتری کی مشہور سنسکرت کتاب بھرتری شتک کا سنسکرت سے اردو رباعیات میں ترجمہ کیا تھا ۔ شائد یہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے ۔ جذب کو ان کی کتاب کے چھپوانے میں مالی امداد فراہم کی تھی ۔ لیکن افسوس کہ جذب صاحب اپنی ذاتی مشکلات اور حالت کے باعث ایسا نہ کرسکے ۔ اور یہ گراں قدر تخلیق شائد

طبع نہیں ہو پائی۔

جذب رباعی گو شاعر کی حیثیت سے اگر یہ کہا جائے تو بہت حد تک صحیح ہے کہ امجد سے کم نہیں تھے۔ لیکن اردو کے اجارہ داروں نے اس عظیم شاعر کو بھی مقام دینے سے احتراز کیا۔ اور نظر انداز کر دیا۔

عالی حصول تعلیم، عام و خاص کے لیئے ضروری اور لازمی ملنتے تھے۔

محلہ حسینی علم میں اس دور میں کوئی اسکول نہ تھا۔ اور مدارس اتنی دور تھے کہ طلباء کو آنے جانے کے لیئے مشکلات تھیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے اپنی ڈیوڑھی کے ایک بڑے حصہ میں اسکول قائم کیا تھا۔

بسنت پنچمی کے مبارک دن سن ۱۹۱۶ء میں کالیتھ پاٹھ شالہ، وسطانیہ اسکول قائم کیا تھا۔ شروع میں اردو میڈیم کا اسکول رہا۔ اب بھی یہ اسکول قائم ہے۔ اسکول میں اچھے اساتذہ کا تقرر کیا تھا اسی اسکول میں ڈاکٹر زور پرتھوی راج سابق ناظم زراعت (آندھرا پردیش) پنڈت نریندر جی، ڈاکٹر آر آر سکسینہ الہام، رائے نرہر راج ساقی، ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ جیسے گراں قدر ہستیوں نے تعلیم پائی تھی۔

عالی تعلیم نسواں کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ محلہ حسینی علم میں ہی کنیا پاٹھ شالہ اسکول کے معماروں میں سے وہ ایک تھے۔ اس اسکول کے لیے عمارت ان کے رسوخ اور کوشش سے حاصل کی گئی ہر دو اسکولوں کے بانی تھے۔ اور مینجمنٹ کمیٹی کے صدر بھی تھے۔ عالی شراب نوشی کے سخت خلاف تھے۔ سماج کو اس بری علت سے چھٹکارا دلانے کے لیے انھوں نے بہت ہی اہم رول ادا کیا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں سماج سدھارک اور سماج سیوک تھے۔ انھوں نے ایک دن کی شادی کا رواج اپنے ہی گھر سے شروع کیا اور بہت سادہ شادی کے قائل تھے۔

عالی کا انتقال ۲۳ / جون ۱۹۵۰ء کو مختصر علالت کے بعد ہوا۔

عالیؔ کا منتخب کلام

رباعیات در توصیف گرو نانگ برائے کتاب نانک درشن (لاہور) ۱۹۴۲ء

تھا رحمت باری گرونانک کا وجود ملتا رہا ان سے سب کو سود و بہبود
اب تک عمل وقول یہ ان کے عالیؔ ہے عمل گو ہر چند وہ صدیوں سے نہیں ہیں موجود

ooo

تم رحم کے دریا تھے سمندر تم تھے تم بخت کے دارا تھے سکندر تم تھے
عالیؔ تو سمجھتا ہے کہ ایک دور یہہ تھا پنجاب دکن ہند میں گھر گھر تم تھے

ooo

پنجاب کے شیر تھے دلاور تھے تم ایمان کے دریا کے شناور تھے تم
کہتے ہیں عالیؔ یہہ گرونانک جی سے بگڑی ہوئی قوم کے مقدر تھے تم

ooo

دنیا کو بہت دیکھا ہے چھانا اچھا دیکھا ہے برا اور زمانا اچھا
الفت مادر کی ہم نے دیکھی عالیؔ تسکین قلوب کا ٹھکانہ اچھا

ooo

جو اہل عمل ہیں ان سے حکمت سیکھو گر شوق سعادت ہے تو خدمت سیکھو
طاقت قدرت نے دی ہے اپنی سب کچھ عالیؔ دنیا میں ماں سے الفت سیکھو

ooo

انسان بزرگ اپنا سبھی کو سمجھے دنیا کی بھلی اور بری کو سمجھے
سمجھے گا خدا ان سے ہمشیہ عالیؔ ماں باپ سے بڑھ کر جو کسی کو سمجھے

ooo

موہ لینا یہ دل ربائی تھی اور مروت بھی انتہائی تھی
خلق و احساس کی سیرت عالیؔ شاد تم نے کہاں سے پائی تھی

ooo

غزلیات

کون ہمدرد ہو پھر جب نہ ہو اپنا اپنا
غیر ممکن ہے کہ ہوجائے پرایا اپنا

سر بھی سودا اے محبت میں دیا جان بھی دی
کس گرانی سے ہوا دیکھئے سودا اپنا

اس نے ٹھکرا کے مری لاش کو نخوت سے کہا
کیا ہوا۔ اک نہ رہا چاہنے والا اپنا

وہ گھڑی کیسی مبارک تھی خدا پھر لائے
روٹھنا ان کا شب وصل منانا اپنا

یاد میں کس کی ہوا حال یہ تیرا عالیؔ!
گم ہوا یوں کہ پتہ آپ نہ پایا اپنا

نہیں بھاتی ہیں دور کی باتیں
سنو موسیٰ سے طور کی باتیں

زاہد خشک کچھ سنا پی کر
ہم سنیں گے سرور کی باتیں

سنتے سب کچھ ہیں واعظوں سے مگر
کون جانے قبور کی باتیں

تجھ کو زیبا ہے اور معاف بھی ہیں
اے جوانی قصور کی باتیں

رند مدہوش ہیں مگر کیسے
کر رہے ہیں شعور کی باتیں

بت خدا بن گئے معاذ اللہ
نہیں اچھی غرور کی باتیں

یار کی باتیں کرنے والوں سے
ایسی ہیں جیسے حور کی باتیں

تلملانا۔ تڑپنا۔ جاں دینا
ہیں دل نہ صبور کی باتیں

تشنہ لب کے لئے ہیں آب حیات
عالیؔ اپنے حضور کی باتیں

ایک دیوانہ تھا جو آپ کے گھر سے نکلا
کچھ خبر بھی ہے کہ تھا کون، کدھر سے نکلا

میں نہا دھو کے ہوا پاک ہر اک عصیاں سے
رشک خجلت جو مرے دیدہ تر سے نکلا

جس کا ہوتا ہے خدا اس کے سبھی ہوتے ہیں
یہ نہ سمجھو کہ کوئی کام بشر سے نکلا

تیری بخشش کے ہیں محتاج سبھی شاہ گدا
وہ کہیں کا نہ رہا جو ترے در سے نکلا

اس رقابت کے ہیں قربان کہ مرتے دم تک
تیر قاتل کا نہ دل سے گیا نہ جگر سے نکلا

سب گنہ بھول گیا اک اسی امید پہ میں کوئی مایوس نہ اللہ کے گھر سے نکلا
خاک ساری سے ہوا کام وہ اپنا عاؔلی اہل دنیا کا نہ جو سیم سے زر سے نکلا!

دوسری غزلیات بھی مرصع اور پائے کی ہیں چند چیدہ چیدہ اشعار درج کئے جاتے ہیں جس سے عاؔلی کی طبعیت کی روانی اور شاعرانہ کمال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

درد ہے آرام جاں اور موت بھی اک نیند ہے کب تڑپتا ہے مریضِ عشق درماں کے لئے
کون کہتا ہے کہ تو خوگر بیداد نہیں مجھ میں پہلی سی مگر طاقت فریاد نہیں
لطف گل کیا ہو گلستاں کا مزہ کیا آئے آج بلبل کو یہ شکوہ ہے کہ صیاد نہیں
ہائے کیا کیا نہ جوانی کے مزے تھے لیکن یاد اتنا ہی رہا مجھکو کہ کچھ یاد نہیں

●●● ●●●

زمیں پر رہ کے تم خود کو نہ بھولو ابھی سر پر تمہارے آسماں ہے
تیر نظر جو چلتے ہیں تیغ ادا کے بعد کیا لوگے امتحانِ وفا پھر جفا کے بعد

○○○ ○○○

سر دیا الفت میں ہم نے خوب سودا بن گیا اور کیا بننا تھا آخر کام جو تھا بن گیا
رفتہ رفتہ باعث تسکیں ہوئیں بیتا بیاں! دردِ دل اتنا بڑھا بڑھ کر مداوا بن گیا

●●● ●●●

بے رخی ، بیوفائی ، بد عہدی تو نے سیکھی ہے کیا جوانی سے

○○○ **شاد کی شان میں** ○○○

پلاکر مہاراجہ جامِ محبت ہمیں کر گئے قید دام محبت
سحر سنتے تھے ہم ہے امید افزا ہوئی کس طرح ہائے شام محبت
ہر اک قرض کی تو ہے ممکن ادائی ادا ہو نہیں سکتا دام محبت
محبت میں ہے شاؔد تو زندہ دائم نہ بھولیں گے ہم احترام محبت
تو عاؔلی کو اپنے دعا دیتے جانا اسے بھی ملے کاش بام محبت

غزل

سینکڑوں بسمل ہزاروں نیم جاں دیکھا کیئے
اوس گلی میں ہم قیامت کا سماں دیکھا کیئے

دل کا بسنا اور اجڑنا تھا فقط قدرت کا راز
دیکھ کر آبادیاں ویرانیاں دیکھا کیئے

آشیاں سے جب عنادل چھٹ گیئے اہل چمن
بال و پر کے جابجا کچھ کچھ نشاں دیکھا کیئے

حسن میں کیسا اثر ہے کیا بلا کی ہے کشش
جب نظر آیا حسیں پیر و جواں دیکھا کیئے

ایسے بیمار محبت کی جو مر مر کر جئیں
نا امیدی میں کبھی امید جاں دیکھا کیئے

ظلم اور قوت نے کیا کیا کی نہ کچھ غارت گری
لٹتے اپنا ملک و دولت ناتواں دیکھا کیئے

ذرہ ذرہ چھان ڈالا یہاں پایا نہ کچھ
کیا کہیں تجھ کو کہاں ڈھونڈا کہاں دیکھا کیئے

یاس و حسرت میں زمین و آسماں دیکھا کیئے
کچھ نہیں سوجھا تو سوے آسماں دیکھا کیئے

روح جب نکلی تو عالی رہ گئے اعضاء خموش
مالک خانہ کو جاتے پاسباں دیکھے کیئے

غزل

طریق عشق کی سختی کوئی عذاب نہیں
قدم قدم پہ ہے تسکین، اضطراب نہیں

خدا کے واسطے دینا ہے کام کا دینا
بلا خلوص کے داد و دہش ثواب نہیں

نہاں بھی ہو کے عیاں ہو رہا ہے تو ہر جا
حجاب گرچہ ہزاروں ہیں پر حجاب نہیں

جہاں میں جو کوئی دے گا حساب سے دے گا
تیری وہ دین ہے یارب کہ کچھ حساب نہیں

ہزار بار پڑ ہو پر بہ آب زر سے لکھو
کتاب دل کے برابر کوئی کتاب نہیں

سوال وصل پہ کہنا کسی کا شوخی سے
تمہاری بات کی کیا بات ہے، جواب نہیں

گناہ لاتے کیئے میں لے اے میرے مولیٰ
سوال رحم بھی تجھ سے کروں یہ تاب نہیں

جہاں کی نعمتیں موجود ہوں میسر ہوں
مگر ہیں بے مزہ بے لطف گر شباب نہیں

جہاں کی بود و نمود اک نظر کا دھوکا ہے
کبھی یہ تم نہ سمجھنا کہ یہ سراب نہیں

دکن کو شاد پہ ہے فخر لیکن اے عالی
ہمیں یہ فخر ہے ان کا کوئی جواب نہیں

غزل

بغیر شکوۂ جور و جفا کے جیتا ہوں — یہ تلخ گھونٹ بھی خونِ وفا کے پیتا ہوں

نہ ہے بہار کی حسرت نہ ہے غمِ صرصر — میں نام لے کے شب و روز تیرا جیتا ہوں

مئے فنا میں ہے آبِ بقا کی بھی لذت — کہ زہر ہاتھ سے اس دلربا کے پیتا ہوں

چلی ہے لے کے جو وہ بوئے کاکلِ مشکیں — میں چاک دامنِ بادِ صبا کے سیتا ہوں

کیا ہے عہد، مروں بھی کبھی تو تجھ پہ مروں — خیال میں ترے مہر و وفا کے جیتا ہوں

بہار رہتی ہے پنہاں خزاں کے دامن میں — پروں کو بلبلِ در آشنا کے سیتا ہوں

یہ فیض ہے تری دریا دلی کا اے ساقی — کہ سب کو میں مئے وحدت پلا کے پیتا ہوں

طریقِ عشق میں مرنے کا نام جینا ہے — طفیل میں ترے ناز و ادا کے جیتا ہوں

نہ کھلنے پائے کبھی راز تیری محفل کا — تمام پردوں کو ارض و سما کے سیتا ہوں

رہے جلیل کا آباد میکدہ عالی — کہ ہر شراب کو شیریں بنا کے پیتا ہوں

•••

اشک جاری ہیں شکایت ہے نہ کچھ بیداد کی — بن گئے ہیں اب تو ہم تصویر خود فریاد کی

ختم کوشش ہوگئی سب مانی و بہزاد کی — کھینچ سکی لیکن نہ تصویر اس دلِ ناشاد کی

ظلم ہو جور و جفا ہو حد نہ ہو بیداد کی — اس سے ہو سکتی نہیں ہے روک کچھ فریاد کی

درد دل میں اٹھ گیا ہے اشک جاری ہوگئے — یاد تازہ ہوگئی ہے جنابِ شاد کی

شاد کے جتنے شناسا ہیں وہ دیتے ہیں دعا — ہو درازی عمر کی شہرت بڑھے آباد کی

بھول میں کیا لطف ہے یہ اہلِ دل سے پوچھیے — بھولنے والے ہی جانیں قدر و قیمت یاد کی

جان دی میں نے ستم پر کچھ نہ شکوہ کر سکا — یہ بھی اک تعمیل تھی ظالم ترے ارشاد کی

کر دیا بے بال و پر مجروح دل خستہ جگر — اس پہ بھی آنکھیں نہیں کھلتیں مرے صیاد کی

برق گر جائے گلستاں خاک ہو جائے تو کیا — منتظر آنکھیں ہیں اپنی اور اک افتاد کی

اب تو عالی دل ہمارا اور بھی مغموم ہے — یاد میں بے چین ہیں ہم حضرت استاد کی

کروں وہ آہ کہ جس آہ میں دھواں نہ رہے
کہ جاں بھی دیدوں مگر لب پہ اک فغاں نہ رہے

جو زخم دل تھے مرے حیف وہ نہاں نہ رہے
کچھ ایسے ابھرے کہ پھر قابل بیاں نہ رہے

جہاں بھی ہم رہے منت کش جہاں نہ رہے
ہم ایسی شان سے کب زیر آسماں نہ رہے

کبھی قفس میں کبھی آشیاں میں دن کاٹے
خدا کا شکر ہے برباد خانماں نہ رہے

ہماری نظریں ہیں بس ایک ناخدا ہی پر
ہزار آئیں تلاطم کہ بادباں نہ رہے

اسی پہ ساکھ ہر اک بات کی ہو دنیا میں
نہیں ہے قیمت انساں اگر زباں نہ رہے

جلایا آکے نشیمن کو برق نے ایسا !
کہ گل کی شاخ پہ باقی کہیں نشاں نہ رہے

کوئی جگہ نہیں ایسی جہاں ملے راحت !
کہاں پہ جا کے یہ انساں رہے کہاں نہ رہے

یہ کیسا تیرا ہے انصاف تو بتا صیاد !
کہ میں تو زندہ رہوں میرا آشیاں نہ رہے

تو چاہتا ہے کہ نالوں پہ میرے جبر کرے
کہ شور بند ہو فریاد بیکساں نہ رہے

ہر ایک بزم میں ہر دل میں ہر جگہ عالی
جناب شاد کے چرچے کہاں کہاں نہ رہے

○○○

گنہ کے قید میں جو خوش ہے وہ عذاب میں ہے
جو کہتا ہے کہ میں بیدار ہوں وہ خواب میں ہے

حجاب حسن ہے یا حسن کے حجاب میں ہے
وہ بے نقاب بھی ہو کر مگر نقاب میں ہے

سوال وصل پہ میرے یہ ان کا کہہ دینا
سکوت میں جو مزا ہے وہ کب جواب میں ہے

ہے نام شاد زباں پر ہر اک سخنور کے
کلام شاد ہر اک چشم انتخاب میں ہے

پلایا پیر مغاں نے مجھے وہ جام الست
کہ نشہ سارے جہاں کا اسی شراب میں ہے

ملے گا دل کو سکوں کب کہاں کہاں جاکر
زمانہ بھر اسی گردش میں پیچ و تاب میں ہے

نہ دیکھو۔ دیکھو حسینوں کو دیکھنا ہے غضب
اسی کے شعلہ کی اک آگ آفتاب میں ہے

نگاہ شوق میں تصویر پھر گئی کوئی
جمال حشر نہاں پردہ نقاب میں ہے

سکون طلب تو نہیں بیقراریاں دل کی
نئی ادا سے تمنا جو اضطراب میں ہے

بگاڑ دل کو نہ میرے نہ ٹھیس لگنے دے
کہ یاد تیری نہاں اس دل خراب میں ہے

ہے بزم شاد یہاں جمع ہیں سب اہل کمال
تو عالی ہیچ مداں آج کس حساب میں ہے

جو مجھ کو یاد کرے میں اسی کے ہوں نزدیک — بلایا طور پہ موسیٰ کو یہ سنانے کو
یہ سن کے سوئے چمن ہے بہار آنے کو — فلک سے تاکتی ہے برق آشیانے کو
چمن میں کل جو چہکتی تھی بلبل ناشاد — قفس میں آج ترستی ہے دانے دانے کو
ڈریں وہ دولت دنیا کی ہے ہوس جن کو — نہیں ہے ڈر کوئی ایمان کے خزانے کو
زباں سے ہو نہیں سکتا عمل محبت کا — دل و جگر وہ الگ ہی ہیں داغ کھانے کو
کھڑا ہے تیغ لیئے اور سوچتا کیا ہے — نہ ڈھونڈھ اے مرے قاتل کسی بہانے کو
کسی کی بگڑی بناتے تو اس سے بہتر تھا — جو بکنے بیٹھے ہو تم زلف کے بنانے کو
بہشت ہو کہ نہ ہو پر جو ذکر دوزخ ہے — یہ خوب آلہ ہے انسان کے ڈرانے کو
ہزاروں جھکتے تھے سر جن کے تاج کے آگے — بھٹکتے پھرتے ہیں وہ حیف سر چھپانے کو
مزا تو جب ہے کہ مستی میں بھی تو یاد رہے — ریاضتیں ہیں سبھی تیرے یاد آنے کو
نہ بھائی کوئی بھی محبوب سا نظر آیا — میں کوسوں اپنے کو، قسمت کو، یا زمانے کو

رُباعی

اخلاق و کرم آپ کا دنیا میں نہیں — ڈھونڈھیے سے نظیر اسکی ملیگی نہ کہیں
خوش خلق سخی شاد سا داتا عالی — بالائے فلک ہے نہ سرِ فرشِ زمیں

ایضاً

بندش میں قیود میں بھی آزاد تھے تم — ہر بھولے مسافر کی فقط یاد تھے تم
عالی نے تمہیں دیکھا ہے ہر حالت میں — ناشادی و شادی میں یونہی شاد تھے تم

ایضاً

دبتے ہوئے خیرات بھی شرماتے تھے — بے موقع و بے محل نہ گرماتے تھے
عالی کس سے کہے وہ دل کی باتیں — ہر لحظہ و ہر لمحہ جو فرماتے تھے

مرثیہ برادر

یہ دھن کوچ کی دل میں کیسی سمائی　　مجھ کو دیا بے وقت داغ جدائی
مری کونسی بات تم کو نہ بھائی　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

وہ حسن و جوانی وہ شان برادر　　مجسم محبت وہ جان برادر
سناؤں کسے داستان برادر　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

تھی صورت بہت بھولی بھالی تمھاری　　محبت تھی سب سے نرالی تمھاری
وہ تصویر کس لے چھپالی تمھاری　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

معاون تھے بالذات بچپن سے میرے　　رہے پاس دن رات بچپن سے میرے
دیئے ہات میں ہات بچپن سے میرے　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

مجھے ایک بس اپنا تم جانتے تھے　　بجائے پدر مجھ کو گردانتے تھے
مری بات ہر وقت تم مانتے تھے　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

تمھاری مروت کا قائل جہاں ہے　　تمھاری شرافت ہر اک پر عیاں ہے
تمھاری محبت کا ہر بابیاں ہے　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

نہ ہمت تمھاری میسر کسی کو　　نہ جرات تمھاری میسر کسی کو
نہ الفت تمھاری میسر کسی کو　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

فدائے سخن اور سن سنج تھے تم　　شرافت کے اک بے بہا گنج تھے تم
شریکِ غم و راحت و رنج تھے تم　　مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆　　☆☆☆

علالت میں میری نہ سوئے کبھی تم
محبت سے چھپ چھپ کے روئے کبھی تم
نہ پاس آئے بے اشک دھوئے کبھی تم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

ثنا گو تھے تم شاد راجہ کے دائم
وفا داری و جان نثاری پہ قائم
تنفر تھا اس سے کرے جو جرائم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

ہے ایوان شاد اور مجلس سخن کی
یہ کہتے تھے ہے قدریاں اہل فن کی
بتاؤ کہ اب سیر ہے کس چمن کی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

جو بگڑا تھا گھر اب سنبھلنے لگا تھا
یہ باقیؔ کا گلزار پھلنے لگا تھا
زمانے کو تھا رشک جلنے لگا تھا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

نہیں قوت بازو اب کیا کروں میں
جیوں کچھ دنوں یا تڑپ کر مروں میں
نہیں صبر کی سل کہ دل پر دھروں میں
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

کہاں جاکے ذکر تباہی کروں گا
میں قسمت کی کیا داد خواہی کرونگا
میں کیا جی کے اب یا الٰہی کرونگا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

خدا دے اگر ایسا بھائی کسی کو
دکھائے نہ اس کی جدائی کسی کو
نہ دے درد بے اعتنائی کسی کو
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

جو ہونا ہے ہوتا ہے کیا، بیش کیا کم
مگر مجھ کو اس بات کا ہے ، بڑا غم
ملو گے نہ ہم سے کہاں تم کہاں ہم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

مرے دوست احباب سن لیں کہ کیا ہے
یہ عالیؔ کے مجروح دل کی صدا ہے
یہ محبوبؔ کا ماتمی مرثیا ہے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

☆☆☆

غزلیات

یاد اپنی نوجوانی رہ گئی
عمر رفتہ کی کہانی رہ گئی

سب گیا دل رہ گیا اچھا ہوا
یہہ کتابِ آسمانی رہ گئی

وہ دوبارہ کرگئے خنجر کا وار
پھر بھی میری نیم جانی رہ گئی

زخم خنجر تیرے دم سے مرحبا
آبروے زندگانی رہ گئی

کیسے کیسے دوست اپنے چل بسے
بے مزہ اب زندگانی رہ گئی

باعثِ عبرت ہے خاکِ عشقاں
مرمٹوں کی اک نشانی رہ گئی

خوش ہیں ہم گر جان دیگر تو ملے
یہہ بھی قسمت آزمانی رہ گئی

ہیں کہاں عالیؔ میرؔ و داغؔ سے
نام کی اب شعر خوانی رہ گئی

○

گھٹا چھائی ہے اب رندوں کی نیت پوچھتے کیا ہو
برس جائے جو میخانے پر رحمت پوچھتے کیا ہو

کہیں بلبل چہکتی ہے کہیں گل مسکراتی ہے
بہار میں شانِ قدرت پوچھتے کیا ہو

کسی کے دکھ بھرے دل کو نہ چھیڑو منعمو ہرگز
مصیبت میں جو آتی ہے مصیبت پوچھتے کیا ہو

اب انسان ہوگیا انسان کا دشمن کیا غضب ہے
نہیں دنیا میں باقی کچھ مروت پوچھتے کیا ہو

قیامت آئیگی جب دیکھ لینگے رنگ اس کا بھی
کسی پر دل کا آنا ہے قیامت پوچھتے کیا ہو

یہہ سوز دل ہی ساز زندگی ہے اپنا اے عالیؔ
یہی ہے عمر بھر کی ساری دولت پوچھتے کیا ہو

مقدس ماں

سناؤں کسے داستان محبت — نہیں والدہ جو تھیں جان محبت

انہیں کا یہ پر درد پر غم ہے قصہ — انہیں سے تو باقی تھی شان محبت

جھکاؤں کہاں جاکے سر اپنا یارب — نہیں باقی اب آستان محبت

میں اب گلشن دھر میں کیا کروں گا — مرا لٹ گیا آشیان محبت

نہ بلبل نوازن نہ گل کوئی خنداں — کدہر چل بسا باغبان محبت

محبت تو ہے ختم ماں باپ ہی پر — کٹھن ہے کٹھن امتحان محبت

مری والدہ کی طرح جو ہر خلق — نکالے ہیں کم تو نے کان محبت

برادر کا بیوی کا صدمہ تھا لیکن — تھی مادر سے تسکین جان محبت

مری کشتی عمر منجدھار میں ہے — مددالمدد بادبان محبت

مرغن امیری غذائیں ہیں بے حظ — ہے اک کافی روکھی سی نان محبت

زمیں سے بھی کم درجہ اولاد کا ہے — ہیں ماں باپ ہی آسمان محبت

محافظ ہے بعد خدا ماں کی ہستی — ہے دراصل یہ پاسبان محبت

کہاں درد دل ماں کا پیدا کریں گے — سمجھ لیں ذرا داعیان محبت

بھر آیا ہے دل رہ تو خاموش عالیؔ — کہ اب رک رہی ہے زبان محبت

غزل

صاف بتلا دو ماجرا کیا ہے — میری قسمت کا فیصلہ کیا ہے

دیر میں ڈھونڈو ڈھونڈو کعبہ میں — ماسوا کے یہاں سوا کیا ہے

سچ تو یہ ھیکہ درد دل کے سوا — مرض عشق کی دوا کیا ہے

ذات حق میں جو ہو چکا ہے فنا — اس کے آگے برا بھلا کیا ہے

کبھی سونچا بھی تو نے بندہ حرص — کیا ابتدا ہے تیری انتہا کیا ہے

شاد کے حق میں کر دعا عالیؔ — تیرے محسن ہیں سوچتا کیا ہے

نظم

جشن جمہوریہ ہند

نظم لکھی ہے ہند نامہ کی
کیفیت ہے عجیب خامہ کی

مستی ہے ایک کیف طاری ہے
جوئے شیریں کی نہر جاری ہے

یوں بظاہر جو میں خوشی میں ہوں
بات یہ ہے کہ بے خودی میں ہوں

آج دل بلیوں اچھلتا ہے
اب سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے

کیا خوشی اس طرح سے ہوتی ہے
آنکھ مسرور ہوکے روتی ہے

بعد صدیوں کے یہ زمانہ ہے
واقعی سچ ہے یا فسانہ ہے

کس کو دکھلاؤں دل کی یہ حالت
باغ و بلبل کی گل کی یہ حالت

گل کھلے بلبلیں چہکتی ہیں
مثل رقاصہ یہ بہکتی ہیں

رونق پر بہار ہے گلشن
حسن کا یہ نکھار ہے گلشن

دیکھئے آج چل کے میخانے
ہوش میں آرہے ہیں دیوانے

ابر کا سایہ رحمت باری
فیض گویا ہے ہر طرف جاری

ساقی ہے مست جھومتا پھرتا
اپنے رندوں میں گھومتا پھرتا

ہاتھ میں سب لئے ہیں پیمانا
حکم ساقی کسی نے کب مانا

نہ شریعت نہ حشر کا ڈر ہے
آج ہر رند اپنا رہبر ہے

کوئی سنتا نہیں کسی کی بات
وصل کی مل گئی ہے جیسی رات

آج واعظ ہیں سارے خوابیدہ
رند ہیں جیسے ہوں جہاں دیدہ

کوئی ہو، کوئی نا و نوش میں ہے
کوئی خاموش کوئی جوش میں ہے

یہ سماں وہ ہے جو نہ دیکھا تھا
یہ زماں وہ ہے جو نہ دیکھا تھا

مثل آئینہ سب ہیں سکتے میں
دیکھنے والے کس طرح دیکھیں

سارے مندر بھرے پڑے ہیں آج
لاکھوں انسان یہاں کڑھے ہیں آج

کوئی ناقوس کی صدا دیتا
کوئی ہر بار یہ دیتا

رہے آزاد ہند ہے پربھو — ہو یہ آباد ہند ہے پربھو

سینکڑوں آج مسجدیں پر ہیں — ایک تسبیح سینکڑوں در ہیں

ہاتھ اٹھائے کوئی دعا کے لیئے — کوئی سجدے میں ہے خدا کیلئے

ہر زباں پر دعائیں آتی ہیں — اور اذاں کی صدائیں آتی ہیں

بودھ ، عیسائی ، پارسی بھی ہیں — ساتھ آیئے آرسی بھی ہیں

سب کی عزت بھلائی اس میں ہے — عمر بھر کی کمائی اس میں ہے

یہ وہ دریائے بیکراں ہے مگر — جس میں ملتے ہیں سینکڑوں گوہر

ہند وہ جس کا مرتبہ اعلیٰ — ہند وہ سب کا ہے جو گہوارا

ہند وہ ہند جو وطن اپنا — ہند وہ جس میں ہے دکن اپنا

ہند وہ ہند علم کا مخزن — ہند وہ ہند خلق کا معدن

نام لیوا اسی کے جدا مجد — دوست اک دوسرے کے سب بیحد

رام اور کرشن کا یہ مسکن تھا — بھیشم ارجن سے ہند گلشن تھا

ہند کو جن سے اب بھی زینت ہے — ساری دنیا میں آج شہرت ہے

رام کا رام راج تھا مشہور — جس کی مئے سے ہر ایک تھا مخمور

جس میں انصاف کا تھا دورِ عظیم — کس کی طاقت جو منہ چڑھائے غنیم

رام مریاد کے شناور تھے — درد و غم میں سبھی کے یاور تھے

گرچہ صدیاں ہوئیں وہ زندہ ہیں — کل مرے جو وہ آج مردہ ہیں

کارنامے کبھی نہیں مٹتے — ان کے رہتے ہیں حشر تک چرچے

بیوی بھائی کی کچھ نہ تھی پروا — ایک دھوبی کی پر اثر تھی صدا

ساری دنیا میں ان کے چرچے ہیں — اسی دن سے یہ اپنے چرچے ہیں

جابجا معرفت کا چرچا تھا — بچہ بچہ یہاں کا اچھا تھا

کرشن جی کا زمانہ پھر لیجے — دھیان انمول گیتا پہ دیجے

یہ ہے لا فانی قول کا منبع — یہ ہدایات و رشد کا مرجع

زندگی کے بڑے خزانے ہیں | یہ نہ سمجھے کوئی فسانے ہیں
ہوا اس دور میں مہا بھارت | کرشن ارجن کے بن گئے سارت
صرف انصاف کی لڑائی تھی | خاندانی تھے کب جدائی تھی
زر و طاقت کا ساتھ دنیا دے | اور دولت کا ساتھ دنیا دے
پر جو عارف ہیں وہ نہیں ڈرتے | کام بیجا کبھی نہیں کرتے
پھر صداقت کی جیت ہو ہی گئی | آج تک اس کی ریت ہو ہی گئی
ارجن و بھیم اور کرن کیا تھے | بھیشم اور درون سارے جن کیا تھے
فوق الانسان تھے عظیم تھے یہ | مورد رحمت کریم تھے یہ
یہ شجیع و جری عزایم تھے | بے مثال و بزرگ دایم تھے
تھے یہاں گوتم اور شنکر بھی | ان سے بہتر کہاں تھے رہبر بھی
فلسفہ ان کا دیکھئے نایاب | ایک دریا تھا جو نہ ہو پایاب
ان کے سینے تھے یا سفینے تھے | علم قدرت کے یہ خزینے تھے
ایک دنیا نے مان کر لوہا | ان کی پیرو ہی بنگئی گویا
ہند کے خاک و خوں کی برکت تھی | تھے کبیر اور سور نانک جی
داس تلسی تھے میرا بائی بھی | جن کے اقوال آج بھی ہیں جلی
چکرورتی اشوک راجا تھے | یہ بھی مقبول دین دنیا تھے
ان کا انصاف ان کا جو دو کرم | ہے زباں زد عوام کے نہیں کم
شاہ اکبر یہیں کے تھے فرزند | زندگی جن کی پر نصائح و پند
عدل و انصاف کے نمونا تھے | فرد بے مثل مثل کسریٰ تھے
ہند کی سر زمیں کا نام ہوا | یعنی اچھا ہر ایک کام ہوا
ہند کے کیا سپوت پیدا ہیں | ان پہ دنیا کے لوگ شیدا ہیں
گوکھلے اور تلک یہیں پر تھے | دادا بھائی رنا ڈے کے گھر تھے
گاندھی رشی بھی ہیں منی بھی ہیں | سینکڑوں کے لیے گنی بھی ہیں

خود مٹے مٹنے سے بچانے کو | ہند والوں کے آزمانے کو
ان کی ستیا گرہ نہ بھولے گی | چالیں ساری بھلادیں برٹش کی
یہ تھے ایسے نہیں ہے جن کی نظیر | تھے سد ہارک مگر بوضع فقیر
سادگی ان میں کیا بلا کی تھی | ان میں جلوہ گری خدا کی تھی
یہ شہنشاہ سے کبھی نہ ڈرے | اپنے سادہ لباس ہی سے ملے
ان کو پروا نہیں ہنسی کی تھی | غم کی پروا نہ کچھ خوشی کی تھی
سب مذاہب کے یہ تھے شیدائی | ان میں کب تھا غرور و رعنائی
باپو نے اپنے جانشین کئے | ہر مکاں کے لئے مکین کئے
کس سے اب ہیں نہاں جواہر لال | ہند کی روح و جاں جواہر لال
ان کا ایثار بے مثال رہا | ان کو دولت کی کب رہی پروا
خود یہ دولت ہیں اور ہیں مقبول | ہند کے رہنما ہیں یہ معقول
ساری دنیا کی یہ نظر میں ہیں | یوں تو کہنے کو اپنے گھر میں ہیں
اور سردار جی پٹیل بھی ہیں | نت نئے کھیلتے یہ کھیل بھی ہیں
ہے سیاست انہیں کھلونا سی | فرد نایاب آج ہیں یہ بھی
ان میں طاقت ہے اور عزم و جلال | ملک کی لاج کا انہیں ہے خیال
بابو راجن رکھیں مقام اپنا | فخر کالیستھ ہیں سدا رہنا
ہند کے لاجواب یہ فرزند | ان کو ایشور رکھے سدا خورسند
مالوی جی تھے اور تھے ٹیگور | علم و فن میں جو تھے بہت مشہور
بوس اور گھوش بھی یہیں پر تھے | شیر پنجاب کے رہے چرچے
مسز نائیڈو کی خاص عزت تھی | ان کی دنیا میں ایک شہرت تھی
بلبل ہند فخر و ناز دکن | جن کو روتا ہے آج سارا وطن
شیر کشمیر سر حدی گاندھی | اور آزاد با کمال سبھی
تیری کرنی سے تیرا اوج ہوا | گنگا جمنا کا تجھ میں زوج ہوا

تجھ میں ہیماچل اور وندھیا چل   تجھ میں کاشی بھی اور گنگا جل
تجھ میں مندر ہیں اور شوالے ہیں   تجھ میں مشہور پاٹھ شالے ہیں
مسجد و خانقاہ و گنبد بھی   تجھ میں ہیں نیک لوگ بھی بد بھی
تیرے ہی ہیں ایجنٹا ایلورا   ساری دنیا میں جن کا ہے چرچا
یاں کے کاریگروں کی صنعت پر   لوگ دنیا کے دھنتے ہیں اب سر
سارے سیاح جو کہ آتے ہیں   اس کی تعریف کرکے جاتے ہیں
گو ہزاراوں برس کی شان ہے یہ   واقعی صنعتوں کی جان ہے یہ
جن کا پتھر میں یہ کرشما تھا   ان کی نظروں میں زر بھی ادنی تھا
تاج کو آج مغتنم سمجھو   ایسی صناعی اب ہے کم سمجھو
شان اس کی کوئی نہیں پاتا   کون سے دل کو یہ نہیں بھاتا
ہند کب تک ترا بیان کریں   خیر مقدم ترا جوان کریں
تیرا اجلال اور جمال ہے یہ   تجھ پہ مرتے ہیں سب کمال ہے یہ
دونوں قوموں کی تو ہی مادر ہے   سب پجاری ہیں تو ہی مندر ہے
نظر بد کہیں لگے نہ تجھے   دشمنوں کی یہ دسترس سے بچے
ساری دنیا میں بول بالا ہو   ہر طرف روشنی اجالا ہو
تو ممالک کا رہنما ہوجائے   کشتی والوں کا ناخدا ہوجائے
نام پہ تیرے ہم جتیں بھی مریں   کام جتنے ہیں تیرے مل کے کریں
ایک ہی تیرا نغمہ رہجائے   ہندو مسلم یہاں کا سب کو بھائے
تو پھلے پھولے تیرا نام رہے   تیرے بچوں کو تیرا کام رہے
رہیں سب کے یہ رہنما بن کر   دشمنوں سے ملیں سدا تن کر
ان کے اخلاق سب پہ حاوی ہوں   دیکھنے والے اس کے راوی ہیں
دل سے دیتا ہے یہ دعا عالی   اور ہو تیرا مرتبا عالی

☆○●○☆

رائے محبوب راج محبوب

(۱۸۹۳ء ۔ ۱۹۳۱ء)

محبوب راج راجہ گردھاری پرشاد باقی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اور عالی کے حقیقی بھائی تھے ۱۸۹۳ء میں جب محبوب راج تولد ہوئے اور باقی نے یہہ خوشخبری محبوب علی پاشاہ کو دی تو والی دکن نے خواہش کی کہ ان کا نام محبوب راج رکھا جائے ۔ اور اس طرح وہ محبوب راج کہلائے ۔ جب محبوب علی خاں دوران عالالت باقی مزاج پرسی کیلیے تشریف لائے تو محبوب علی پاشاہ نے بہ الطاف خسروانہ ۔ محبوب راج کو گود میں اٹھالیا ۔ اور شفقت سے پیش آئے ۔

محبوب راج کی زندگی کا ابتدائی زمانہ بہت مشکلات سے گزرا جب وہ چار سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ مدرسہ عالیہ میں تعلیم پائی اور تربیت کا گراں بار ان کی والدہ پر پڑا اور انہیں کے سائے میں تربیت حاصل کی اور قابلیت کے وہ جوہر پیدا کیئے کہ زندگی کے کاروبار اور مسایل کا بہت خوش دلی اور حوصلہ و دانشمندی سے سامنا کیا ۔

وہ ذہین اور طباع تھے ۔ اپنے اساتذہ اور ہم جماعتوں میں ہر دلعزیز ہوگئے وہ پنجاب میٹرک کا امتحان دینے دہلی گئے تھے پھر شمالی ہندوستان کے مختلف مقامات کی زیارت بھی کی اور سیاحت بھی کی ۔ اس طرح ابتدائے زندگی سے آخر وقت تک سفر و سیاحت کے دلدادہ تھے ۔

اس دور میں کائستھ برادری کے حضرات میں صنعتی تعلیم کا فقدان تھا ۔ ہر شخص سرکاری

ملازمت کا خواہاں رہتا تھا صنعت و حرفت کو خاندان کی بے عزتی سمجھتے تھے۔ اس طرح قابل اور محنت کش افراد بھی چھوٹی چھوٹی سرکاری ملازمت میں الجھ کر تباہ و برباد ہونے لگے اور یوں افلاس میں اضافہ ہوتا گیا۔ محبوب راج ہم فرقہ اور ہم قوم کی یہہ حالت زار نہ دیکھ سکے۔ انھوں نے نوجوانوں میں صنعتی تعلیم کا رجحان بڑھانے اور تجارت اور بیوپار کی صلاحیت اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیئے کچھ موثر تدبیریں نکالیں۔ انھوں نے ایک کارخانہ پارچہ بافی قائم کردیا۔ جس کا نام کارخانے صناع دکن رکھا۔ اضلاع سے ہوشیار کاریگر بلوائے بہت جلد اس کارخانے کو فروغ حاصل ہوگیا۔ محبوب راج جملہ انتظامات خود کرتے تھے۔ انھوں نے اس کارخانے میں طرح طرح کی نئی ایجادئیں کیں اور خوب صورت نمونے وضع کیئے۔

محبوب راج سب سے پہلے حیدرآبادی تھے جنھوں لے شہر میں ایک نمائش مصنوعات ملکی کی بنیاد ڈالی۔ کیشوگیری کی جاترا کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کیشوگیری کی جاترا کے موقعہ پر ایک نمائش مصنوعات منعقد کی اور اس میں نہ صرف اپنے کارخانے کے صناعوں کے علاوہ دور دور سے صنعت کے بہترین نمونے بغرض نمائش منگوائے۔ حیدرآباد کے با ذوق معززین اس نمائش میں مدعو تھے۔ اس نمائش سے محبوب راج کی خداداد قابلیت اور انتظامیہ کے جوہر رونما ہوئے۔ چنانچہ اس کے چند دنوں بعد مہاراجہ کشن پرشاد شاد جو دیول الوال کے متولی تھے۔ جاترا الوال کے موقعہ پر نمائش مصنوعات منعقد کی۔ اور اس کا انتظام محبوب راج کے سپرد کیا۔ محبوب راج کی ان تھک کوشش اور محنت سے یہ نمائش بہت کامیاب رہی حتی کہ امراء حیدرآباد و سکندرآباد کے علاوہ میر عثمان علی خاں اور یوروپین افسران نے بھی اس نمائش کی بہت تعریف کی تھی۔

محبوب راج کا میلان صنعت و حرفت کی طرف زیادہ تھا۔ وہ سرکاری نوکری سے نفرت کرتے تھے اور آزاد رہنا ہی پسند کرتے تھے وہ کسی کی بیجا خوشامد یا جی ہاں سے کوسوں بھاگتے تھے نوکری کے لیئے ضروری قابلیت کے جو معیار ہیں۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے اشعار میں کیا۔

عجب غیور طبیعت ہے تیری اے محبوب
کسی کی تجھ کو خوشامد ذرا نہیں آتی

لیکن جیسا کہ عموماً ہوتا چلا آیا ہے وہ ان تھک محنت کے باوجود صنعتی میدان میں معاشی طور پر خود مکتفی نہ ہوسکے ۔ مجبوراً سرکاری نوکری قبول کرنی پڑی ۔ مشکل سے دو سال بھی گذرے نہ تھے کہ پیامبر اجل نے ان کو ہمیشہ کے لیئے اس دنیا سے اٹھا لیا ۔ دوران ملازمت ماتحتین اور ساتھیوں سے ایسا شریفانہ برتاو رہا کہ چھوٹے بڑے سب گرویدہ ہوگئے فرائض کی انجام دہی میں ایسی مستعدی دکھلائی کہ افسران بالا کی نظروں میں خاص وقار پیدا کرلیا ۔

وہ حیدر آباد کایستھ سبھا کے اعزازی معتمد بھی منتخب ہوئے تھے ان کی زندگی کا سب سے روشن پہلو وہ جذبہ اخلاص و محبت ہے جو انھیں اپنے بزرگوں سے وراثتاً ملا تھا ۔ اور اپنے بڑے بھائی راجہ نرسنگ راج عالیؔ کی تعظیم و احترام کا اس قدر خیال تھا اور ان سے بے حد محبت کرتے تھے کہ ان کے مخلص لوگ ان بھائیوں کو رام اور لکشمن کی جوڑی کہا کرتے تھے ایسی محبت بہت کم یاب ہے بلکہ شاذ و نادر ہی ایسی مثالیں ہوں گیں ۔

ایک طرف محبوبؔ نے اشعار میں ان جذبات کا بیان کیا ۔

محبوب جس قدر بھی کرو ناز ہے بجا اپنے بھائی پر

دوسری طرف عالیؔ نے محبوبؔ کے انتقال پر جو مرثیہ اور قطعات لکھے ہیں وہ بے مثال ہیں جو انھوں نے خون دل سے لکھے ہیں ۔

دفتر غم و الم کا ہے داستان محبوبؔ ہے لفظ لفظ اس کا آہ و فغان محبوبؔ
عالیؔ کے درد دل کے جذبات سب ہیں اسمیں ہے پیش دیکھے گا یہہ ارمغان محبوبؔ

محبوب راج محبوبؔ کا انتقال ستمبر ۱۹۳۱ء کو ڈیوڑھی بنسی راجہ حیدر آباد میں ہوا ۔ ان کے تین لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں انتقال کے وقت سب ہی کم سن تھے ۔ راجہ نرسنگ راج کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی ۔ اور انھوں نے ہی ان سب کی شادی بیاہ بھی کی ۔ محبوب راج کو بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح مہاراجہ کشن پرشاد کے فیض صحبت نے مذاق شاعری کی طرف مائل کیا ۔

کشن پرشاد شادؔ نے ان کے انتقال کی تاریخ اس طرح نکالی تھی ۔

کہ کہتے ہیں عالیؔ یہہ فرزند باقی کہ محبوب راجہ نے اس دم قضا کی
تو اس وقت اے شادؔ ہاتف یہہ بولا دیا آپ نے داغ محبوب راجہ

منتخب اشعار ۔ محبوبؔ

جو بات کہتے ہیں صاف صاف چنانچہ محبوبؔ کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت سادگی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان میں اثر اور بیان میں صداقت پائی جاتی ہے ۔

اپنے اعمال کی خرابی کو ہم نے گردن جھکا کے دیکھ لیا

***

بیقراری کا گلہ سن کے وہ فرماتے ہیں دل جو قابو سے ہو باہر اسے روکا کرنا

سمجھ کے دل کو لگانا کسی حسین سے تم نہ مول بیٹھے بٹھائے یہہ درد سر لینا

***

محبوبؔ یہہ سودا وہ نہیں ہے جو ملے مفت دل نذر کرے پہلے طلبگار محبت

***

بیزار ہیں خدا کی قسم زندگی سے ہم جی کر جہاں میں کیا کریں اس بیکسی سے ہم

چلو اچھا ہوا جو کچھ ہوا ہونا تھا ہو گذرا نہ چھیڑو ہجر کا قصہ نہ کھلواؤ زباں میری

***

کیا خاک ہو لطف زندگی کا چسکا نہ ہو جس کو عاشقی کا

***

کوچہ عشق میں محبوبؔ نے رکھا ہے قدم بے خودی دیکھ کہیں اس کو نہ رسوا کرنا

***

ہے وصل یار میں محبوبؔ مدہوش نہیں ہے کچھ اسے اپنی خبر آج

***

ہر ایک چیز اسی کے ہے نور سے روشن غلط ہے قول کہ ذرہ میں آفتاب نہ تھا

***

اچھے خیال کی بھی محبوب کے یہاں کمی نہیں بعض شعر تو ایسے نکالے ہیں کہ زباں کے ساتھ شاعر کی جدت و بلند پروازیاں دکھلائی ہیں کہ ذہن شاعر کی طبعیت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے ۔

محبوبؔ کی نظروں میں ہے اک خواب سی دنیا اس مرد خدا کو تو ہے کچھ مد نظر اور

***

گلے مل لو کے سوزِ غم کے ہاتھوں چراغ زندگی بس دو گھڑی ہے

رائے نرہر راج ساقی

۱۹۰۸ء تا ۱۹۸۵ء

نام نرہر راج تخلص ساقی ۲ / جنوری ۱۹۰۸ء کو بنسی راجہ کے چشم و چراغ بن کر پیدا ہوئے۔ باقی کے پوتے عالی کے فرزند اکبر تھے۔ ان کے چچا بھی شاعر تھے۔

ابتدائی تعلیم ان کے والد کے قائم کردہ اسکول کایستھ پاٹھ شالہ میں ہوئی ان کے ہم جماعت تھے ڈاکٹر رگھو نندن راج الہام اور ڈاکٹر زور۔ وسطانوی تعلیم ختم ہوتے ہی پونا کے مشہور نیو انگلش اسکول میں تعلیم کے لیے بھیج دیئے گئے۔ جہاں پدم بھوشن ستیو مادھو راؤ پگڑی جیسی ہستی آپ کی ہم جماعت تھی۔ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم نظام کالج میں پائی۔

پونا کے اگریکلچر کالج سے تعلیم پاکر اپنے آبائی مقطعہ کیشو گیری میں فارمنگ شروع کی۔ اور فارم میں نئے طریقہ کار اور سے ہمہ تن مصروف رہے۔ لیکن عام طور پر جیسا ہوتا رہا ہے نرہر راج پیداوار تو فارم سے اچھی خاصی حاصل کرتے لیکن مارکٹنگ کے اصولوں سے بالکلیہ ناواقف ہونے کے باعث۔ ان کا فارم خسارے میں رہا۔

ایک صبح مہاراجہ کشن پرشاد فارم پہنچ گئے۔ یہہ دیکھنے کے لیئے نوجوان نرہر راج کی فارمنگ کس قدر کامیاب طور پر آگے بڑھ رہی ہے۔ جب مہاراجہ کو پتہ چل گیا کہ فارم خسارے میں چل رہا ہے، تو انھوں نے مشورہ دیا کہ نرہر راج فوراً سرکاری ملازمت اختیار کرلیں۔ چنانچہ والد راجہ نرسنگ راج نے بھی شاد کے مشورہ پر عمل کرنے کی ہدایت دی۔ اس طرح مئی ۱۹۳۶ء

میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔

جس خدمت پر رہے آپ کا حسن انتظام پسندیدہ رہا اور ماتحتین گرویدہ رہے۔ بحیثیت ڈپٹی کلکٹر ۱۹۶۵ء میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ آپ کی شادی شریمتی اندرانی دختر رائے مرلی دھر صاحب سے فبروری ۱۹۲۸ء میں ہوئی تھی۔

آپ کے والد نے شادی اس شاندار پیمانہ پر کی تھی کہ مہاراجہ کشن پرشاد نے بہ لحاظ تعلقات خاندانی بہ نفس نفیس اپنے ہاتھوں سے سہرا باندھا۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ نوجوانی سے ہی قوم اور سماج کی خدمت کا جذبہ تھا۔ چنانچہ ینگ منس کایستھ اسوسیشن کے سکریٹری چن لیے گئے تھے اور بوائے اسکاوٹ کے بھی۔

ساقی بھی بزم شاد کی آنکھیں دیکھیں نامور شعرا کی صحبتیں رہیں امراء کے دیوانخانے شعرو سخن کا گہوارہ تھے جہاں جھولتے بھی رہے اور جھومتے بھی رہے۔ شاعری انھیں وراثت میں ملی تھی۔ جب شاعری سے الجھ گئے تو والد کے مشورہ پر استاد جلیل کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

ساقی صرف تخلص ہی تھا۔ نہ کسی میکدے میں پی اور نہ ہی کسی کو پلائی۔ ساری عمر اپنے مذہبی عقائید کے پابند رہے ساتھ ہی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

ساقی سخن گو بھی تھے، سخن فہم بھی اور سخن پرست بھی اور سخن پرور بھی اس بارے میں عابد انصاری اڈیٹر پرچا نظام آباد نے جو دیباچہ باغ رزاق میں لکھا ہے وہ اس کا مظہر ہے۔

"رائے نرہر راج ساقی خود بھی اردو زبان کے اچھے شاعر علم دوست شخصیت اور قدیم تہذیب و تمدن اور ہندو مسلم رواداری و اتحاد کے علمبردار ہیں اس کتاب پر آپ کا تحریر کردہ پیش لفظ آپ کی علم دوستی اور اردو سے ان کے خلوص کا بہترین ثبوت ہے۔ آپ ہی کی دلچسپی کے باعث یہہ کتاب شائع ہورہی ہے۔

ترا میخانہ علم و ادب باقی رہے برسوں　　ترا ذوق ادب تجھ کو بنائے جاوداں ساقی"

جناب صابر توکلی شاہین بھی ساقی کے شکر گزار ہیں ساقی کی کوششوں اور ہمت افزائی کی بناء پر شاہین کا کلام "پیچ و خم" منظر عام پر آیا۔ جس کا اعتراف انھوں نے پیچ و خم میں کیا ہے۔

ایک اور شاعر محمد عبدالسلام اختر فرماتے ہیں۔

حقیقی صاحب کردار نزہرراج ساقی ہے — خلوص و صدق کا معیار نزہرراج ساقی ہے
نگاہ لطف میں خورد و کلاں یکساں رہے اختر — شرافت کا علمبردار نزہرراج ساقی ہے

ساقی بہ حیثیت شاعر : ساقی نے شاعرانہ ماحول اور ترنم کی فضاء میں زندگی کا سفر طے کیا تھا غزل ہی زیادہ تر لکھی ۔ غزل کا رنگ صوفیانہ ذوق سے لبالب ہے ۔ ایوان شاد میں بچپن سے والد کے ہمراہ حاضری دیتے جہاں حضرت فانی، جوش ملیح آبادی، علامہ حیرت بدایونی، حضرت بیگم جیسے کہنہ مشق استاذان سخن کی صحبت میں آپ کا ادبی ذوق پروان چڑھتا رہا ۔

اس طرح ایوان شاد اور جلیل منزل کے مشاعروں میں ساقی کے ادب کا پیمانہ شعری بھی گردش میں آہی گیا ۔ نہ صرف فن شاعری ورثے میں ملا تھا بلکہ مشاعروں کو منعقد کرنے کا بھی ذوق آپ کو اپنے والد سے وراثتاً ملا تھا ۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی آپ کو متعین کیا جاتا وہاں اپنے اطراف شاعروں اور ادیبوں کو اکٹھا کرلیتے تھے ۔

بزمانہ خدمت نظام آباد آپ کی ادبی خصوصیات کے مدنظر آپ کو مشاعروں کی صدارت کے لیئے مجبور کیا جانے لگا آپ ہرچند گریز کرنے کی کوشش کرتے رہے ، لیکن اہل ذوق نے آپ کی ایک نہ سنی اور ساقی کی صدارت میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے یوم آزادی کا یادگار مشاعرہ ترتیب دیا گیا جو بے حد کامیاب رہا ۔ پھر کیا تھا مقامی شعراء اور عوام کے اصرار پر ساقی صاحب کو ادبی محفلوں کی صدارت قبول کرنی پڑی ۔

نظام آباد کے قیام کے دوران بہت سے مشاعرے منعقد ہوئے جو یادگار رہے ۔

جناب بھیم سین سچر گورنر آندھراپردیش جب نظام آباد کے دورے پر تشریف لے گئے تب کلکٹر کو یہ پتہ چلا کہ سچر صاحب اردو زبان اور شاعری سے لگاؤ رکھتے ہیں تو کلکٹر چٹی صاحب نے ساقی سے خواہش کی تھی کہ مشاعرہ منعقد کیا جائے ۔ مشاعرہ منعقد ہوا اور بے حد کامیاب رہا ۔ دوسری تمام تقاریب کے مقابلے میں گورنر نے مشاعرہ کی بے حد تعریف کی ۔

ساقی نے ایک آل انڈیا مشاعرہ ۲۱ / نومبر ۱۹۶۰ء کو امام الفن جلیل کی یاد میں منعقد کیا ۔ جس کی صدارت کے لیئے جناب بال مکند عرش ملسیانی کو دہلی سے مدعو کیا گیا تھا ۔ عرش صاحب رسالہ آج کل کے مدیر اعلیٰ تھے ۔ اور استاد جوش ملسیانی کے صاحبزادے ۔

اس مشاعرہ کے تعلق سے علی احمد جلیلی (فرزند حضرت جلیل) صاحب نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جو روزنامہ سیاست میں شائع ہوا تھا۔

"مدعو شعراء میں سے کچھ نے قبل مشاعرہ شراب کی فرمائش کر دی اور اس بات پر مصر ہو گئے کہ بغیر پیئے مشاعرہ نہیں پڑھیں گے وہ ساقی صاحب کے مہتمم آبکاری ہونے کے سبب بہت پر امید تھے۔ لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ ساقی تخلص ضرور تھا۔ لیکن نہ کسی میکدے میں پی تھی اور نہ کسی کو پلائی تھی علاوہ ازیں ساقی کو جو عقیدت استاد جلیل کی ذات سے تھی وہ اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ چنانچہ یہہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ یہہ مشاعرہ اس بزرگ ہستی کی یاد اور احترام میں کیا جا رہا ہے جس کے تقدس کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیئے کسی قیمت پر فرمائش کی تکمیل نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال مشاعرہ ہوا اور بے حد کامیاب رہا۔ سب ہی نے مشاعرے میں شرکت کی۔ جناب ساقی کے مسلک کی یہہ پاکیزگی ان کے کلام میں بھی جھلکتی ہے۔ جس سے ان کے صوفی مشرب ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہر شئے میں اس کا جلوہ عیاں تھا نہاں نہ تھا
پھر کیسے ہم کہیں کہ کہاں تھا کہاں نہ تھا
کیوں بھٹکتا ہے تو اے ساقی کسی کے واسطے
کعبہ تیرے دل میں ہے بت خانہ تیرے دل میں ہے

ساقی نے اردو کی بے لوث خدمت کی تھی اور انھیں سرپرست کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔"

آخری عمر میں ساقی نے اپنے جد گردھاری پرشاد المعروف بہ بنسی راجہ باقی کی تین تصانیف۔ باغ رزاق، توشہ عاقبت اور شاہی شادی جو فارسی میں لکھی گئیں تھیں اس کا ترجمہ کیا اور ان کی اشاعت میں رہبری کی۔ اور اپنے کلام کے تعلق سے بے پرواہ رہے۔

ان کا مختصر کلام گلہائے صد رنگ کے نام سے ۱۹۶۳ء طبع ہوا تھا۔ (ادارہ اشاعت اردو کریم نگر کے زیر اہتمام)

اصغر نے جس محفل شعر و سخن کی شمع ۱۸۱۳ء میں روشن کی تھی وہ شمع ۱۹۸۵ء میں ساقی

کے انتقال پر خاموش ہو گئی۔

ساقی کو بزرگان دین سے عقیدت تھی۔ مہاتماؤں کے درشن کرنے اپنے والد کے ہمراہ جاتے تھے۔ ساقی نے ہندی زبان میں بھی بھجن لکھے تھے۔ دیش کے اہم مقدس مقامات یعنے دوار کا پوری، جگناتھ پوری، رامیشورم، کنیاکماری، کاشی، گیا کی یاترا کی تھی۔

ساقی محب وطن تھے۔ چین کے حملہ کے وقت جو نظم لکھی تھی وہ نظم منتخب کلام میں ملاحظہ ہو۔

گنگا جمنی تہذیب کی جو روایات اصغر، باقی اور عالی نے قائم کی ساقی اس کی بساط کے آخری مہرہ تھے۔

منتخب اشعار

خدمت میں ملک و قوم کی ہو عمر سب بسر
باپو کی زندگانی سبق یہ سکھا گئی

بس ایک ہی نظر میں ہوا کام سب تمام
کیا جانے کتنے فتنے یہ آکر جگا گئی

آخر دبا سکا نہ میں جذباتِ عشق کو
جو بات دل میں رہنی تھی وہ لب پہ آگئی

رہ رہ کے بس خیال اسی کا بندھا رہا
آ آ کے یاد ہر گھڑی مجھ کو رلا گئی

ہر لحظہ ہر گھڑی جو عنایت ہوئی تری
ساقی کی زندگی کو درخشاں بنا گئی

عقیدت ہے خدائے دو جہاں سے
لیا کرتا ہوں نام اس کا زباں سے

ترے دیدار کی دل میں تڑپ ہے
محبت ہے مجھے جانِ جہاں سے

وہ دل جو یاد سے تیری ہو خالی
اسے میں مانگ کر لاؤں کہاں سے

ستالو جتنا چاہو تم ستالو
نہیں نکلے گی اف میری زباں سے

ابھی جینے کو میں جیتا ہوں لیکن
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

اب اس کے سوا اور کیا چاہئے
جسے چاہتے تھے اسے پا گئے

زمانے میں ساقی سبق یہ ملا
جو کی ہم نے نیکی بدی پا گئے

ذات کو تیری پالیا جس نے
دین و دنیا میں اس کی ہار نہیں

تیرِ نظر سے اس نے جو گھائل بنا دیا
یہ ضبطِ دل تھا میرا کہ محو فغاں نہ تھا

جشن آزادی

جشن آزادی کا مناتے ہیں
لوگ پھولے نہیں سماتے ہیں

باپو اک معجزہ دکھاتے ہیں
امن سے انقلاب لاتے ہیں

چھوٹا ہندوستاں غلامی سے
چھوڑ کر ملک گورے جاتے ہیں

مرد و زن طفل پیر نیز جوان
اپنے بھارت کی جے سناتے ہیں

کئی برسوں کی جد و جہد کے بعد
اپنا مقصود آج پاتے ہیں

رانی جھانسی کی اور شیواجی
نہیں دل سے بھلائے جاتے ہیں

پندرہ ہے اگسٹ کی تاریخ
یوم آزادی ہم مناتے ہیں

شری نہرو پٹیل اور آزاد
بر سر اقتدار آتے ہیں

جو ڈراتے تھے گھور کر آنکھیں
ہو کے خاموش بھاگ جاتے ہیں

صلح کل پالیسی سے نہرو جی
سکہ ہر ملک پر جماتے ہیں

ہیں جو گذرے ہوئے بزرگ فقیر
قول سے ان کے فیض پاتے ہیں

گزرے شاعر ادیب موسیقار
کب وہ دل سے بھلائے جاتے ہیں

ناز ہم کو ہے اپنے بھارت پر
راگ خوشیوں کے آج گاتے ہیں

ہند والوں تمھیں مبارک ہو
آج کے دن سوراج پاتے ہیں

دن مبارک ہے آج اے ساقی
جشن قومی جو ہم مناتے ہیں

جنگ چین

اک زمانہ تھا بھائی تھے چینی
بر سر جنگ ہوگئے چینی

بھائی کو بھائی اب نہیں بھاتا
بھائی کو رحم کچھ نہیں آتا

بھائی بھائی کا ہوگیا دشمن
ہوگیا ایک ایک سے بدظن

چین کیا یہ تری شرافت ہے
کیوں تجھے ہند سے عداوت ہے

چین تجھ کو بھلا یہ زیبا ہے
ملک گیری کا جو ارادہ ہے
اپنی طاقت پہ آج نازاں ہے
جنگ کرنے کو آج آتا ہے
تو ہے مکار تیرا کیا کہنا
کردیا وار آکے غفلت میں
ہند والے سب ایک ہوکر آج
کھا گئے تجھ سے دھوکا نہرو جی
ہم ازل سے یہ سنتے آئے ہیں
کیسے ہیں سر فروش کیا کہیئے
ہونگے ہندوستان پر قرباں
ایک چپہ زمیں نہیں دیں گے
ہم لگادینگے جان کی بازی
ساری دنیا کو ہم بتائیں گے
چین کے اب سنہری خوابوں کو
کار بد کا برا ہی ہے انجام
دیکھنا ایسی منہ کی کھائے گا
گوشہ گوشہ سے آج بھارت کو
جان دیدینگے مال دیدینگے

اک بہ اک آکے جنگ کرتا ہے
سر میں تیرے عجیب سودہ ہے
تو ہے شیطان یا پھر انساں ہے
زعم طاقت کا یوں بتاتا ہے
تو ہے غدار تیرا کیا کہنا
پورا اترا نہ تو شرافت میں
تیرا کردیں گے اب بحال مزاج
نہیں اوچھوں سے دوستی اچھی
نیک خو فتح ساتھ لائے ہیں
ان کا جوش و خروش کیا کہیئے
قطرہ خوں بہائیں گے ہر آں
جو گئی ہے اسے بھی لے لیں گے
اور باقی رکھیں گے آزادی
ہم سبق یہ تجھے پڑھایں گے
ہم مٹادینگے ان حبابوں کو
ہو رہا ہے جہاں میں تو بدنام
تب کہیں ہوش تجھکو آئے گا
آتا پیغام ہے حمایت کا
دشمنوں سے نپٹ کے دم لیں گے

دیکھ لینا یہ ہوگا اے ساقی
ہوگا چینی نہ ایک بھی باقی

غزل

رند ہے ساقی ہے مئے ہے جام ہے
رات ہے دن ہے سحر ہے شام ہے

صرف راحت کا جہاں میں نام ہے
زندگی مجموعۂ آلام ہے

ہر سحر کے بعد آتی شام ہے
صبح پیری کا فنا انجام ہے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں اس کو ہر طرف
اس زمانہ میں کہاں آرام ہے

فصل گل تنہا کبھی آتی نہیں
ساتھ بجلی ہے قفس ہے دام ہے

جام بھی ہے چرخ بھی ہے دور میں
یعنے یہہ گردش جہاں میں عام ہے

اس جہاں میں ہوش ہیں کس کے بجا
بادہ کش اک مفت میں بدنام ہے

لائی بلبل کے لیے تحفے بہار
یہہ ہے گلچیں یہ قفس یہہ دام ہے

داغِ دل داغِ جگر داغِ فراق
عشق میں ملتا یہ ہی انعام ہے

جام صہبا نے کیئے سب غم غلط
کیا موثر نسخہ آرام ہے

رحم اس کے دل میں آئیگا کبھی
عاشقوں کا یہ خیال خام ہے

کیا ہو گنجائش خیال غیر کی
نقش جب دل پر تمھارا نام ہے

کیجیے ساقیؔ پہ الفت کی نظر
آپ کا وہ بندہ بے دام ہے

عزیز شادنرھراج صاحب

آپ کا خط مورخہ ۷، ۱۸ مہر ۱۳۴۶ف سنہ وصول ہو کر شاد کو محظوظ کیا۔ اللہ سے امید ہے کہ بھاسکر راج طولعمرہ کا آشوب چشم اس اثنا میں دور ہو گیا ہو گا۔ ان کا فقیر کو یاد کرنا اِس خاندان کی خصوصیات ہیں۔ جن سے فقیر کا قلب آگاہ ہے۔

یہاں ۱۵، ۱۵ روز سے بارش نہیں ہوئی۔ خواجہ بابا طولعمرہ اور کرشن کنور طولعمرہ کے شادیوں کی سعی ہو رہی ہے اگر خدا نے سامان پیدا کر دے تو انشا اللہ اِس سال ہی شادیاں ہو جائیگی۔ آپکے والد ذوڑنے سے فراغت جب پاتے ہیں تو فقیر سے ملتے ہیں۔ چند روز سے ریاحوں کی شکایت سے فقیر کی طبیعت بہ فسردہ رہتی ہے ڈاکٹر واگرے صاحب معالج ہیں۔ دلچسپی سے علاج کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کے یہہ سب تنہائی اور بیکاری کا سبب ہے۔ سنتا ہوں چپ رہتا ہوں۔ اِس لئے اِسکا علاج مجھ پاس کیا ہے۔ مصروف بہ کار رکھنا یہہ مالک کے ہاتھ۔ اب رہا دوست احباب کا روزانہ ملنا اور آمد و رفت اُنکے اختیاری۔ جی میں آیا تو آئے۔ ورنہ مہینوں دنوں غائب۔ دنیا کا معاملہ ہی ایسا ہے باقی شوق دید فقط۔

فقیر

مہاراجہ کا خط نرہراج ساقی کے نام

نذر عقیدت عالیجناب رائے نرہر راج ساقی

از

عابد انصاری

ارادہ ہے شرابِ ناب سے دھولوں زباں ساقی
کہ تیری شان میں ہونا ہے اب رطب للساں ساقی

وضعداری و خود داری نے سی ڈالی زبان ساقی
نہیں تو کب کسی میکش نے کی ضبط فغاں ساقی

گلو گیرِ تکلّم ہے ادب چپ ہے زباں ساقی
مگر آنکھوں سے دل کی بات ہے ہر دم عیاں ساقی

ادب پرور ہے تو محفل تری میخانۂ معنی
زباں گوہر فشاں تیری نظر معجز بیاں ساقی

ترِی اک جنبشِ ابرو نے کی ہے بزم آرائی
ہم ایسے میکشوں کا تو بنا پیرِ مغاں ساقی

سجی تیری بدولت محفلِ شعر و سخن ایسی
نظام آباد پہونچے شاعرِ عرش آشیاں ساقی

بلبل الشان میخانے سے جو تو نے پلائی ہے
نظام آباد نے پی ہے کبھی ایسی کہاں ساقی

ترا میخانہ علم و ادب باقی رہے برسوں
ترا ذوقِ ادب تجھ کو بنائے جاوداں ساقی

میں عابد ہوں مجھے انگور کی مئے سے نہیں مطلب
پلا وہ مئے جسے پی کر بنوں صاحبقراں ساقی

نذر عقیدت

گزارِ بندہ : محمد عبدالسلام اختؔر کریم نگر

تو بزمِ راج ساقیؔ پیکر خلق و مروت ہے
تری فطرت میں ہے شائستگی رگ رگ میں الفت ہے
بہت نزدیک سے دیکھا ہے ہم نے بارہا تجھ کو
خدا شاہد تیری ہستی شرافت سے عبارت ہے
رواداری بقائے باہمی اخلاص یکجہتی
ان ہی بے مثل اجزا کا مرکب تیری فطرت ہے
مبارک ہو تجھے ساقیؔ وظیفہ پر سبکدوشی
وظیفہ اصطلاحاً اعتراف حسن خدمت ہے
مگر اہل عقیدت کے لیئے رخصت کی یہ منزل
بڑی صبر آزما ہے درد پر وردہ مسرت ہے
تو ہی بتلا کہ کس دل سے خدا حافظ کہیں تجھ کو
جدائی تجھ سے محسن کی قیامت ہے قیامت ہے
کہاں سے لائیں دل اس فاصلہ کے خیر مقدم کو
بتائیں کس طرح تجھ سے ہمیں کتنی عقیدت ہے
مگر پابندی رسم جہاں جب لازمی ٹھیری
تو اختؔر ایسا تحفہ دے جو شایان محبت ہے
یہ ٹوٹے دل مچلتے اشک اپنے ساتھ لیتا جا
یہی نذر عقیدت آج ساقیؔ پیش خدمت ہے

•••

تحقیقات سیاقِ باقیؔ

باقیؔ کی یہ تصنیف غیر مطبوعہ ہے جو انہوں نے ۱۸۸۶ء میں لکھی تھی۔

اس دلچسپ کتاب کا قلمی نسخہ مجھے ساقیؔ صاحب کے کتب خانے میں ملا۔ یوں تو اس تخلیق کا ذکر "فہرست تصانیف باقی" میں نرسنگ راج عالیؔ نے "درد باقیؔ درد ساقی" میں کیا ہے۔

اس تصنیف کے چند اہم موضوعات کو اس پیش کش میں شامل کیا گیا ہے۔

باقیؔ نے اکثر اپنی تصانیف کو حمد سے شروع کیا ہے۔ اور اس تصنیف کو بھی، اور ساتھ ہی قارئین سے سیاق کے اشعار پڑھنے کی خواہش کرتے ہیں۔

علم مثلث، علم ہندسہ اور ریاضی کے اصولوں پر مبنی ترکیبوں کی مدد سے عام آدمی کے لیئے بہت سادہ زبان میں وضاحت کی ہے۔ جن کا تعلق روز مرہ کی زندگی میں ہر کس و ناکس کے لیئے عملی طور پر ضروری ہے۔ مثلاً

(۱) قرض لیتے وقت سود کی شرح کے لحاظ سے رقم سود معلوم کرنا

(۲) کپڑا خریدتے وقت کتنے گز درکار ہے، اندازہ لگانا۔

(۳) میستری کو دیوار کی لمبائی کا تخمینہ کرنے کے گُر

(۴) دن میں کسی بھی گھڑی وقت معلوم کرنے کا طریقہ

یہ غور طلب ہے کہ باقیؔ کے زمانے میں گھڑی دستیاب تھی لیکن ہر عام آدمی کے پاس گھڑی نہیں تھی۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے بہت ہی آسان طریقے سے جسے انھوں نے گور یعنے گُر کہا ہے۔

(۵) ہجری و عیسوی سال کے نظام کے لحاظ سے دوامی جنتری ترتیب دی ہے۔

(۶) انجینیرس اور پیشہ ور حضرات کی سہولت کے لیے کسی عمارت یا مینار کی لمبائی کا اندازہ لگانے کا طریقہ

(۷) بیوپار میں حصہ داروں کو منافع تقسیم کرنے کا گُر

(۸) یہاں تک کہ سنگ مرمر خریدتے وقت تعداد پتھر کا اندازہ لگانے کے

طریقے۔ نثر اور اشعار میں لکھے ہیں۔

اس دور میں Calculators دستیاب نہیں تھے اور خریدار حضرات بھی زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے ان کے لیئے یہ سادہ طریق بہت مفید اور کار آمد تھے۔

اس امر کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے کہ فصلی سال کی دوامی جنتری کا نقشہ دیتے وقت باقیؔ نے بتلایا ہے کہ شاہ جہاں کے دور میں فصلی سال کا آغاز ماہ مہر سے ہوتا تھا۔ جب کہ محبوب علی خاں کے دور حکومت میں سال فصلی، آذر کے مہینے سے شروع ہوتا تھا۔

نوٹ : فصلی سال ایران میں قومی سال ہے اور آج بھی رائج ہے جو ماہ فروردی سے شروع ہوتا ہے۔

علم مثلث اور علم ہندسہ سے تعلق رکھنے والے چند موضوعات اور مثالوں کا سابق پروفیسر محفوظ علی صاحب (ریاضی داں) نے بعد تصدیق صحیح قرار دیا ہے۔ (اگلے صفحات ملاحظہ ہوں)

تحقیقات سیاق باقیؔ کے تعلق سے ماہر ریاضی اور اردو کے اسکالرس سے گذارش ہے کہ وہ اس تخلیق کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں۔

باقیؔ کی یہ تخلیق ان کی غیر معمولی قابلیت اور Creative Genius کی ایک عمدہ مثال ہے۔ شائد یہ اردو زبان میں اپنی آپ ایک مثال ہے۔ جو ہر لحاظ سے قابل قدر ہے زبان اتنی آسان اور سلیس ہے کہ پڑھنے والے کو لغت دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

" تحقیقات سیاق باقیؔ " مکمل کرنے کے بعد باقیؔ نے جو تاریخ نکالی ہے وہ اس طرح سے ہے۔

قطعہ تاریخ

کیا خوب بنا ہے یہ رسالہ ہیں جسمیں حساب سب سیاقی

ہاتف نے لکھی عجیب تاریخ تحقیقات سیاق باقیؔ

۱۳۰۳ھ

نوٹ : (فصلی سال مغل بادشاہ اکبر کے دور میں ہندوستان میں رائج کیا گیا۔)

تحقیقات سیاق باقی

ہو الباقی

لکھئی حمد خدای باقی ہی جسکے سبب لقا تی باقی

گو حمد حساب سی ہی افزون گو نعت شمار سی ہی بیرون

پیر بڑہئی سیاق کی یہ اشعار آسان ہوتا ہی جس سی ہر کار

سب کام کی گو بتاتی ہیں ہم زنہار نہیں چھپاتی ہیں ہم

گو اگلی بزرگوں نی چھپایا ہی خاص اپنی عزیزوں کو بتایا ہی

ہم کرتی ہیں دیکھو عام مشہور تا کہ ہووی جہان میں نام مشہور

باقی کو باقی ...

نو کے عدد کی تعریف

نو بلا شک اشرف الاعداد ہے — ضرب و تقسیم کی بنیاد ہے
دیکھو سب اعداد میں فائق ہے یہہ — نو دو نہہ نام کے لائق ہے یہہ
پہلے نو دونی اٹھارہ جب ہوا — آٹھ اور ایک نو کا نو پھر ہوگیا
نو تیئے یعنے جو ستائیس ہے — سات اور دو نو پھر کیا ہوئے
ہوگیا نو چوک سے چھتیس جب — چھ سے مل کر تین گن نو کیا ہے اب
دیکھو اب نو پنجے پینتالیس کو — پانچ سے اور چار پھر نو ہی گنو
کیا ہوے نو چھکے چوبن مہربان — چار ہے اور پانچ نو ہی بے گمان
ضرب کھاکر نوستے ترسٹ ہوگیا — تین سے چھ ہی مل کے نو چھٹ ہوگیا
نو نہے نود ہیں نو کا نو رہا — وحدت و کثرت کا مظہر بن گیا
یہہ صفت ہے خاص اس کے واسطے — گو عدد ہیں دوسرے اس سے بڑے

اس صفت کو دوسرا کب پائے گا
ضرب کھاکر اور کچھ بن جائے گا

ظاہر ہے کہ نو کا عدد جہاں ضرب کھاتا ہے اگر اکائی یا دہا کا ملاکر دیکھو تو پھر نو ہی ہوجاتا ہے جیسا کہ نو دونی اٹھارہ۔ آٹھ اور ایک نو ہوئے اور نو تیئے ستائیس تو دیکھو سات اور دو نو ہوئے اسطرح جیسا کے نظم میں بیان ہوا ہے ضرب کھاکر شمار میں برابر آتا ہے دوسرے عدد میں ایسا شمار کرنا چاہیں نہ ہوگا۔ دیکھو سات دونی چودا تو چار اور ایک پانچ ہوئے۔ یہہ صفت دوسرے عدد کے واسطے نہیں ہے۔ ایک شعبدہ کا حساب رقم کرتا ہوں تاکہ صفت عدد نو کی اور بھی وضاحت ہوجائے پھر سب طرح کے حساب کے گر بیان کروں گا۔

ایک شعبدی حساب

شعبدی کا ایک لکھتا ہوں حساب — چند سطروں میں عدد لکھو جناب
اس کی پھر سب ایک جاں میزان دو — اور رقم میزان کی ان سب سے گنوِ
دیکھو پھر جو کچھ عدد باقی رہے — ایک عدد جو چاہے ان میں مار دے
بعد احاد عشرات کو یکجا کرو — دور سے مجھ کو سنا کر بول دو
میں کہوں گا جو عدد مارے ہو تم — بس تمہاری عقل ہوجائے گی گم
جو عدد کہہ دوگے تم کم یا زیاد — اس کی یہہ تدبیر ہے رکھ لیجئے یاد
نو نکالوں گا میں اس سے پیشتر — بعد پہچانوں گا نو تکمیل کر

مثال شعبدی

	۸۰۴۳
تین سطر ہیں	۲۶۱۴
	۴۹۱۲
میزان	۱۶۰۶۹
میزان احاد وعشرات	۲۲ (منہا اوپر کے موافق)
	۱۶۰۴۷

۱۴ میزان باقی کے دور سے کہہ دیا
۹ نکال ڈالا از ذہن میں جواب دینے والا
۵ جو باقی رہے۔

تو خیال کیا کہ چار کے عدد کو کاٹا ہے سوال کرنے والا تعجب کیا کہ کیسا پہچانا۔ یعنے سوال کرنے والے نے جمع اور میزان اور منہائی کا عمل کر کے چار کو مار کر مارے ہوئے عدد کے

سوائے دوسری احاد و عشرات کو بیان کیا چودا (۱۴) ہیں تو جواب دینے والا چودا میں سے (۹) نو نکالا اپنے ذہن میں تو رہے پانچ پھر نو کی تکمیل چار باقی رہے تو کہہ دیا چار مارے۔
یہ تعجب ہے کہ سوال کرنے والا آنکھ بچا کر عمل کیا اور جواب دینے والا پہچان لیا۔ یہ سب نو کے عدد کے تماشے ہیں۔ یہ عدد کام کا ہے۔

طریقہ میزان مبنی

ہو اکائی یا دہا کا سینکڑا ہو یا ہزار
چھوڑ دو نو نو طرح دے کر کے تم وقت شمار

دیکھو پھر نو نو طرح کے بعد جو باقی رہے
دو ہو یا ہو تین یا جو کچھ احد باقی بچے

اگلی میزاں کی رقم کو بھی تو گن لے بس وہیں
دو نو بعد طرح یکساں ہیں تو کچھ غلط نہیں

گُر یہہ میزان مبنی کا سمجھ مہرباں
نو کی میں تعریف کا کیسے کہوں کب تک بیاں

مبنی میزان اس واسطے اس کا نام رکھے ہیں کہ اگر نائب کسی جمع کی میزان لکھ کر مُنیب کو بتایا تو مُنیب نے اس کو بلا وقت شمار اکائی، دہائی، سینکڑا اور ہزار کا بلا تفاوت کر ناگیا اور نو نو طرح دیتا گیا بعد طرح جو عدد بچا اس کو لکھ لیا اور اگلے نائب کی لکھی میزان کی یہہ ہی طرح دے کر دیکھ لیا۔ جب دو نو کی طرح بعد باقی کے مطابقت عدد سے ہوگی مُنیب نے کہہ دیا کہ میزان صحیح ہے اور اگر مطابقت نہ ہوئی تو کہہ دیا میزان غلط ہے۔

مثل اعداد

۱۵۱

۲۱۷

۸۱۰

۹۱۲

۳۴۵

۶۷۸

۷۹۲

۳۴۴

۵۶۷

۴۸۲۱ = میزان

جاننا چاہیے کہ نو نو طرح کرنے کے بعد مُنیب دیکھا کہ چھ بچے تو پھر دیکھ لیا کہ اگلی میزان میں بھی ایک اور دو یا تین اور تین اور آٹھ = گیارہ ہیں گیارہ میں نو کھوے تو دُو[۲] بچے پھر دو اور چار چھ ہوگئے بس مُنیب کہہ دیا صحیح ہے۔

گُر سود نکالنے کا

ایک روپیہ سے جس رقم کا پوچھیں سود
ہندسے سے اس رقم کو لکھ لے زود
دو عدد سیدھے طرف سے کاٹ دے
بس وہی ہے سود بے سوچے لکھ

ایسا کرو کہ (۱۰۰) سو روپئے اصل پر آخری قسط جو دس روپے ہیں اضافہ کر کہ اس کو دس قسط کے نصف پانچ میں ضرب دو تو پانچ سو پچاس ہوں گے ۔ بس اس کا سود سرِ اصد ایک روپیہ کے حساب سے جیسا آگے گُر بتلایا گیا ہے لگا دو اور دو روپئے سے فی صدی سود ہے تو مضاعف کر دو یا آٹھ آنہ سے فی صدی سود ہے تو نصف کر دو ۔ یہہ بہت مشکل فرصت طلب حساب ہے ۔ اور بڑا گُر بتلاتا ہوں اسے لوگ دس جگہ (جائے) لکھ کر سود نکالتے ہیں اور بڑی دیر تک حساب کر کر ڈوکری بناتے ہیں ۔ تم آسانی سے فوراً حساب کر دو گے ۔

مثال : ۱۱۰ کو ۵ سے ضرب دے پانچ سو پچاس ہوئے (۵۵۰) پانچ سو پچاس کے دو عدد سیدھے طرف سے کاٹے پانچ روپیہ سود ہوا ۔

گُر حساب کٹ متی ساہوکاری

سو روپے ساہو سے لیتا ہے کوئی
اس کو دس قسطوں میں دیتا ہے کوئی
سو روپیہ پر قسط آخر کو بڑھاؤ
قسطوں کے نصف میں اس کے ضرب لاؤ
حاصل ضرب اس کی جملہ ہے رقم
سود کہہ دو ہو زیادہ یا کہ کم

ہم سر یصد کا بتائے ہیں حساب

اس سے پہلے فکر کیا ہے اے جناب

سمجھو کسی شخص نے سو روپے کسی سے قرض لیا اور دس قسطوں میں دس ماہوار تاریخ معینہ پر پہنچا کر ادا کیا تو اس کے کٹ مٹ کہتے ہیں۔ ایک نقطہ یہہ سمجھنے کا ہے کہ کسی نے سو روپے کے پانچ کم سو روپیہ لیا تو آخری قسط دسویں پانچ روپے ہوگی تو تم پانچ روپے ہی آخری قسط کے اضافہ کرنا۔ اسی واسطے ہم ہر جائے آخری قسط کہتے ہیں۔ دوسرا نکتہ یہہ ہے کہ اگر دو دو مہینے قسط دینا ٹھیرا تو تم فکر مت کرو۔ اسی طریقے سے سود نکال کر حساب کرو اور مصاعف کردو برابر ہوگا۔ اور اگر پندرہ دن کو قسط دینا ہو تو تم اسی طریقے پر ضرب دے کر جو سود ہوئے اسے نصف کردو۔

حساب داما ساہی

حصہ داروں کو نفع بانٹنے کا گُر

سو روپے کے تھے چار حصہ دار — اس روپے سے وہ کرتے تھے بیوپار
حصہ دس بیس تیس اور چالیس — رکھتے آپس تھے بہم و انیس
ساٹھ روپے جو نفع پائے ہیں — اس کی تقسیم کرنے آئے ہیں
ساٹھ کو پہلے دس میں ضرب کرو — ہوئے چھ سو تو اس کو چھ سمجھو
ضرب پھر بیس سے دوبارا کر — ساٹھ میں بارہ سو کی بارا کر
تیس میں ساٹھ ضرب کھا کر جان — ہیں اٹھارہ سو بس اٹھارہ مان
ساٹھ میں ضرب کھائے پھر چالیس — وہ بھی چوبیس سو کے چوبیس
دیکھو جب ساٹھ سے ملے میزان — ہوا مشکل حساب کیا آسان
ہے یہہ گُر سینکڑوں ہزاروں کا — لاکھ دس لاکھ حصہ داروں کا
سینکڑا ٹوٹے پر ہر ایک حصا — نفع سے ضرب کھائے گا ہر جا
جملہ حصوں سے پھر کرو قسمت — ضرب تقسیم بن نہیں حکمت
نقشہ سیکڑا ہزار دس ہزار — لاکھ دس لاکھ کے داما ساہی کرنے کا

گرُ مدور ناپنے کا

هو مدور بستنی یا خوان پوش کا — اس کے پیمائش کا گرُ سن سروش
عرض طول اس کا مکسر کیجئے — اس سے ششم حصہ کو کھو دیجئے
باقی ہے اس کے مساحت کی کماں — فکر کیا ہے خورد ہو وہ یا کلاں

قطر ۷ گز
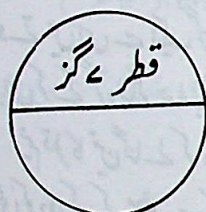
مثال طول عرض

مکسر خان پوش صحیح ہوا ۔ یہہ سیاق کے قاعدہ کا گرُ ہے
سات گز کے قطر کو بائیس گز کا دور ہے ۔
بس یہ ہی گرُ ہے کم و بیشی میں لازم غور ہے

یہہ جب معلوم ہوگیا کہ سات گز کو محیط یعنے دور بائیس گز ہوتا ہے تو تم چودا گز کے قطر کو چار اوپر چالیس یعنے ۴۴ گز محیط تحقیق کہدو اور سات گرہ کے قطر کو بائیس (۲۲) گرہ دور سمجھ لو اس قیاس سے مختلف قطر کا دور پہچان سکو گے ۔ خان پوش کے جھالر یا قور کے پیمائش کے وقت یہہ گرُ بہت کام آتا ہے ۔

مثال

۳ ½ گرہ قطر
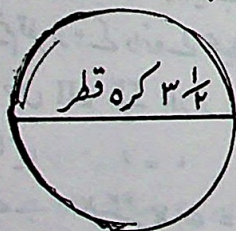
اس چھوٹے خاصدان پوش کا ساڑھے تین گرہ قطر ہے تو تم گیارہ گرہ جھالر دے دو ۔

دوسری مثال

پھر کوئی سوال کرے کہ ایک دائرہ چودا گز اس کا قطر ہے اس کے دور پر

دیوار بنانا منظور ہے وہ دیوار کتنے گز ہوگی۔

قطر ۱۴ گز نیم قطر ۷ گز
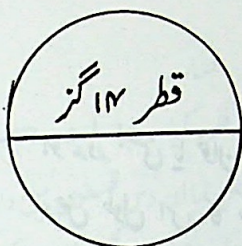
تو تم کہہ دو چالیس پر چار گز یعنے (۴۴) چوالیس گز دیوار بنانا ہوگا۔ غور کرو سات تینے ۲۱ گز ہوتے ہیں اس سے ایک گز زیادہ ہے یعنے ۲۲ گز۔ گُر کے حساب سے تم اس کو کم و بیش قطر پر قیاس کر کے گرہ بنا کر حساب پہچان لو کہ قطر کے تگن سے کتنے زیادہ دور ہوتا ہے۔

نیم قطر کا تین گنا لے کر دیکھو کہ وہ ۲۲ یا اس کے نصف سے کتنا کم و بیش ہے۔ اس کمی و بیشی کو دور کر کے مطلوبہ عدد کو دوگنا کر دو۔ یہی مطلوبہ طول ہوگا۔

مثال : ایک مدور راستہ کا قطر ۱۴ درعہ ہے۔ اس پر کتنی لمبی دیوار بنائی جا سکتی ہے۔ اس کا حساب کرنا ہے۔

قاعدہ بالا سے نیم قطر ۷ کو ۳ سے ضرب دینے پر ۲۱ حاصل ہوتا ہے جو ۲۲ سے بقدر ایک "۱" کم ہے۔ اس کو ۲۲ مان کر دو (۲) سے ضرب دینے پر عدد ۴۴ حاصل ہوتا ہے جو مطلوبہ لمبائی ہوگی، درعوں میں۔

تشریح: مروجہ طریقہ سے ضابطہ یہ ہے۔

۱۴ درعہ
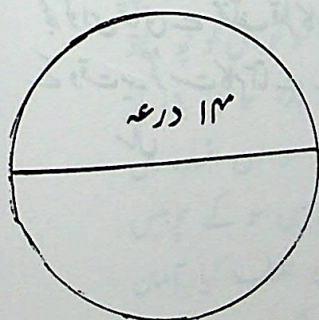
نیم قطر "ر" کے دائرہ کے محیط کا طول = ۲ II ر

جہاں II = ۲۲/۷ اور ر = نیم قطر

مثال بالا میں ر = ۷ لہٰذا مدور راستہ کا طول ہے۔ ۲ × ۲۲/۷ × ۷ = ۴۴ درعہ

نوٹ: مروجہ طریقہ جناب محفوظ علی صاحب کے مشورے پر دیا گیا ہے۔
لہٰذا مصنف کا ضابطہ بالکل ٹھیک ہے، جس کی بنا پر صحیح حساب ملتا ہے۔

مثال نمبر ۲: اگر قطر ۲۸ درعہ ہو تو نیم قطر ۱۴ کا تین گُنا ۴۲ ہوتا ہے یہہ ۲۲ کے دگن

یعنی ۴۴ سے بقدر دو کم ہے ۔ اس کو ۴۴ بنا کر دو سے ضرب دیں تو جواب ۸۸ آتا ہے ۔ جو مطلوبہ مدور راستہ کا طول ہوگا۔

کسی درخت یا بلند عمارت کی بلندی کا تخمینہ گُر

(کسی آن اس کے سایہ کی درازی سے پیمائش) (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۱۰۹)

قاعدہ :۔ جس وقت پیمائش سایہ ہو رہی ہے اس وقت ایک گز لمبی سلاخ کو عموداً زمین میں گاڑ کر اس کے سایہ کی پیمائش کر لی جائے۔

گُر دائرے کے مساحت کا

قطر کو دے ضرب اول دور سے   چار پر تقسیم کر پھر غور سے
خارج قسمت مساحت ہے یقین   دائرے کے کثر کچھ باقی نہیں

اگر (۷) سات گز قطر ہے تو اس کے (۲۲) بائیس گز محیط یعنے دور سے ضرب دو گے تو (۱۵۴) ایک سو چوبن ہوں گے اسے چار پر تقسیم کیے تو ساڑھے اڑتیس ہوں گے خارج قسمت بس وہی مساحت دائرے کی صحیح ہے۔

۷ X ۲۲ = ۱۵۴ حاصل

۳۸ $\frac{1}{2}$ (ساڑھے اڑتیس) چار پر تقسیم کے بعد ہوا اور یہ ہی مساحت دائرہ ہے ۔ اگر مدور باولی کے مساحت جاننی ہو تو آ سکے

قطر کو دو ضرب اول دور سے   ہو جو حاصل اس کو سمجھو غور سے
عمق ہو جتنا پھر اس میں ضرب دو   باؤلی کی یہ مساحت ہے مدار ناپ لو

اوپر کے بیان کے موافق عمل کرکے مساحت سطحی ثابت کرلو پھر اسے عمق میں ضرب دے دو مکسر حاصل ہوجاتا ہے ۔

، گز قطر ، گز قطر کی باؤلی ہے

۷ گز قطر

، گز قطر ہے تو اس کا مکسر سطحی (۳۸۱/۲) ساڑھے اڑتیس گز عمق باؤلی ضرب دیں تو ۲۳۱ گز مکسر باولی کا ہوگیا مربع باؤلی کی پیمائش کا یہہ ہی طریقہ ہے جیسا کہ

عرض ۳ درعہ طول ۳ درعہ = ۹ درعہ

۹ درعہ

۳ درعہ طول

۳ درعہ عرض

۳ درعہ طول ۳ درعہ عرض ۹ درعہ

عرض ۳ درعہ اور طول ۳ درعہ ہے مکسر ۹ درعہ ہوگیا تو اس ۹ درعہ کو پانچ درعہ عمق میں ضرب دیں تو نو پنجے (۴۵) پینتالیس درعہ مکسر ہوگیا ۔

دور کو اور عمود گنبد کو ایک جا کرکے دونوں کو نصف کرو نصف کو ضرب ارتفاع میں دو ہو جو حاصل مکسر اس کا کہو

مثال

پیمائش دور عمود

منارہ طول

منارہ

اکیس (۲۱) گز دور تو عمود ہوا ساڑھے دس گز (نصف ہوا) اس کو تیس گز ارتفاع میں ضرب دیں تو (۳۱۵) تین سو پندرہ گز مکسر ہوگیا ۔

تشریح : فرض کرو کہ یہ سایہ ۱۲ گز ہے اب ہم کو δ
کی قیمت معلوم ہے۔
اس کو مطلوبہ درخت یا عمارت کے
سایہ سے ضرب دو تو جو عدد حاصل ہوگا وہی
مطلوبہ بلندی ہوگی۔ $\frac{\text{درخت}}{\text{سایہ}}$

درخت

سایہ

مثال : ایک گز سلاخ کا سایہ کسی آن (گھڑی) فرض کرو ڈیڑھ گز ہے یعنے

$$\delta = \frac{1}{1\frac{1}{2}} = \frac{2}{3} \text{ یا } 1.5$$

اگر اسی آن درخت یا عمارت زیر بحث کا سایہ ۱۲ گز ہو رہا ہے تو ۱۲ کو $1\frac{1}{2}$ سے ضرب دینے پر ہمیں ۱۸ حاصل ہوتا ہے۔ جو اس درخت یا عمارت کی بلندی ظاہر کرے گا۔
یہہ علم مثلث کا معلومہ قاعدہ ہے۔ (ایک گز کی سلاخ $1\frac{1}{2}$ گز سایہ)

ایک گز سلاخ

$1\frac{1}{2}$ گز سایہ
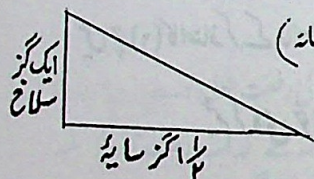
کسی مینار کی سطح کے رقبہ کے محسوب کرنے کا قاعدہ

فرض کرو کہ کسی دائرہ قاعدہ پر معلوم ارتفاع کا مینار کھڑا ہے جس کے دور کا ہمیں علم ہے تو قاعدہ یہہ ہے کہ اس دور کا نصف کو ارتفاع میں ضرب دیں تو مطلوبہ مساحت حاصل ہوتی ہے۔

طول ۳۰ گز

دایری قاعدہ

مثال : ایک مینار کا دور ۲۱ گز ہے اور طول یعنی ارتفاع ۳۰ گز۔
دور کا نصف یا $10\frac{1}{2}$ گز جسے ارتفاع ۳۰ گز میں ضرب دیں تو
حاصل ہوگا۔ طول ۳۰ گز $\times 10\frac{1}{2}$ دائری قاعدہ

$$30 \times \frac{21}{2} = 315$$

لہٰذا مطلوبہ مساحت ۳۱۵ مربع گز ہوگی۔
علم ہندسہ سے وضاحت :- اگر مینار کی منحنی سطح کو اس کے طول کے محاذی تراش لیں اور اس کو زمین پر پھیلا دیں تو ہمیں ذیل کا قطاع دائرہ حاصل ہوتا ہے۔
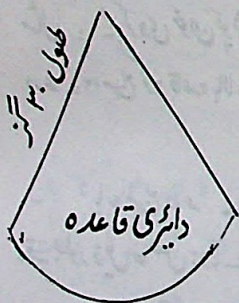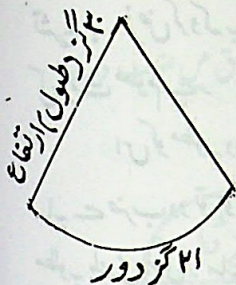
اور قطاع دائرہ کے رقبہ کا ضابطہ ہے۔ $\frac{1}{2}$ قوس × نصف قطر

یعنی $\frac{1}{2} \times ۲۱ \times ۳۰ = ۳۱۵$

جہاں قطاع دائرہ کی قوس کا طول مینار کے قاعدے کے دور کے برابر ہے اور مینار کا طول اس قطاع دائرہ کا نصف قطر ہے۔ ۳۰ گز (طول) ارتفاع ۲۱ گز دور

کسی گھڑی اپنے سایہ کے طول سے وقت معلوم کرنے کا گُر

دن میں کسی آن وقت کے تعین کے لیئے (بغیر گھڑی دیکھے) قاعدہ یہہ ہے کہ اپنے سایہ کی پیماش کے لیے جہاں کھڑے ہوں وہاں سے سائے کی حد تک کتنے قدم ہوتے ہیں گن لو۔ اس میں چھ (۶) کا اضافہ کر کے حاصل عدد کو ۱۲۱ سے تقسیم کرو۔ خارج قسمت وقت ہوگا۔

نیم کروی خوان پوش کے قاعدے کی ساخت (رقبہ)

قاعدہ :۔ دائری قاعدے کے قطر کا مربع لے کر اس میں کا چھٹا حصہ کم کردینے سے جو باقی بچتا ہے وہ مطلوبہ رقبہ ہوگا۔

مثال : نیم کروی خوان پوش کے قاعدئے کا قطر ۳ درعہ ہے (ایک درعہ = ۴ گرہ) اور ایک مربع درعہ = ۱۶ مربع گرہ قاعدہ بالا سے مطلوبہ رقبہ

$۳^۲$ منہا $\frac{1}{6} \times ۳^۲$ یعنی ۹ منہا $\frac{۳}{۲}$ جو $\frac{۱}{۲}$۷ درعہ ہوتا ہے۔

یا، مربع درعہ — ۔جسے ۶۵، مربع درعہ لکھا جاسکتا ہے۔ مروجہ ضابطے سے یہی رقبہ بطور ذیل حاصل ہوتا ہے۔

دائیری رقبہ = جہاں $\frac{۲۲}{۷} = \pi$ اور ر نصف قطر ہے۔

اوپر کی مثال میں ہمیں وصول ہوگا

$$\pi \times \frac{۳}{۲} \times \frac{۳}{۲} = \frac{۲۲}{۷} \times \frac{۳}{۲} \times \frac{۳}{۲} = \frac{۹۹}{۱۴}$$

$= \frac{۱}{۱۴}$، مربع درعہ یا ۷ $\frac{۱}{۱۴}$ مربع درعہ

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں فرق بقدر ۲۶ء۶ مربع درعہ ہے چنانچہ، مربع درعوں کی حد تک کوئی فرق نہیں ہے مربع گروہوں میں قدرے فرق ہے۔ لہذا جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے۔ جواب قریب قریب صحیح ہے یعنے نتیجہ تقریبی ہے جو اوپر واضح کیا گیا ہے۔

دونوں متذکرہ بالا قاعدے ایک عام کارمند یعنے میستری کے لیے حساب کو سادہ ترین طریقہ سے بیان کیا گیا ہے جو قابل تحسین ہے۔

بلندی کی پیماش کا طریقہ

جس بلندی کا ہو سایہ جس گھڑی جتنا دراز
ایک گز کے سائے کو گز کرلو بہر امتیاز
گز کے سایہ کی درازی سے وہ سایہ ناپ لے
جو کہ پیمائش میں آئے اس کی رفعت طول دے

اور سایہ اس درخت کا ۱۲ گز ہے معمول گز سے توکھدے کہ یہہ درخت آٹھ گز بلند ہے کیوں کہ اس وقت ایک گز کا سایہ ۱½ گز ہے تو بے شک آٹھ گز کے ڈیوڑھے ۱۲ ہوتے ہیں اس طرح ہر بلند عمارت، گنبد اور منارہ اور درخت کے بلندی کہہ سکتے ہیں۔

گُر مثلث کی پیمائش کا

مثلث کی تو پیمائش ہے آسان — مگر عرض کا اور طول کا جان
اسے تو نصف کردے ہے مساحت — نہیں کچھ اور سمجھانے کی حاجت

مثال طول مثلث عرض ۳ گز

طول
عرض
مثلث

مختلف الاضلاع کے پیمائش مختلف قاعدوں پر ہے اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں

گرُ وقت پہچانے کا۔ سایہ سے
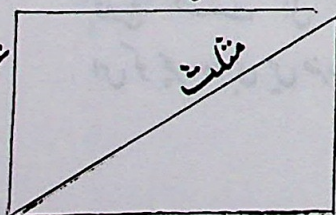
وقت کا گر چاہتے ہو تم حساب　　صبح سے لے تا غروب آفتاب
اپنے سایہ کو قدم سے ناپ لے　　ہوں قدم جتنے فرون کر اس پہ چھ
ایک سو اکیس پر تقسیم اس سے کر　　خارج قسمت گھڑی ہے اتنی پسر
ایک سو اکیس میں جو کچھ بچے　　بعد قسمت اس کو تو پل جان لے
دوپہر تک کہہ دو اتنا دن چڑھا　　دوپہر دن ہوتے ہی کہہ باقی رہا

قریب پہر دن چڑھے کے اگر اپنا سایہ زیر آسمان استادہ ہوکر برابر ایڑی کو انگھوٹھے ملا فاصلہ ملا کر شمار کیئے اور ۱۳ قدم ہوا تو ایک سو اکیس میں تقسیم کیے خارج قسمت تیرا (۱۳) نہے ایک سو ستراہوئے اور چار باقی ایک سو اکیس تو معلوم ہوگیا کہ ۹ گھڑی چار پل دن اس طرح ہر وقت دن پہچان سکتے ہیں۔

گرُ موتیوں کے چوکا

پہلے رتیوں کو کرکے تو مجذور　　اس کو پچپن میں ضرب کردے ضرور
حاصل ضرب ہووے گا مقسوم　　جب کہ حاصل ہو معلوم
پھر چو تعداد موتیوں کا ہو　　ضرب اس کو چھیانو سے دو
اس کو مقسوم علیہ تم جانو　　بعد تقسیم چوکو پہچانو
خارج قسمت اس کے چو ہیں سب　　جو بچے اس میں کسر ہے وہ اب
کسر کو ضرب سولھا میں دے کر　　اس کو تقسیم پھر اسی پر کر
خارج قسمت انی پہچانو　　جو بچے اس میں کسر پھر جانو
اس کو پھر سولاہی میں ضرب لگاؤ　　کرکے تقسیم حصوں کو سمجھاؤ

○●○

حساب موتیوں کے چوکا

اگر موتی کے وزن میں صرف رتیاں ہوں تو ان رتیوں کو پہلے مربع کریں اور اس کو (۵۵) پچپن میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو مقسوم مقرر کریں۔ بعد اس کے تعداد موتیوں کو ہمیشہ (۹۶) چھیانوے میں ضرب دے حاصل ضرب کو مقسوم علیہ قرار دیں اور تقسیم کریں۔ خارج قسمت چو ہوں گے۔ پھر جو کسر بچے اس کو ۱۶ سولہ میں ضرب دے کر اسے مقسوم علیہ پر بانٹیں۔ خارج قسمت آنے ہوں گے پھر جو کسر بچے اس کو ۱۶ سولہ میں ضرب دیں اور بدستور اسے مقسوم علیہ پر تقسیم کریں۔ خارج قسمت کو حصے آنوں کے جانیں

مثالاً ۱۲ دانے ۹ رتی وزن کے ہیں

پہلے ان کو مربع کیجئے۔ ۸۱ ہوئے پھر (۵۵) پچپن میں ضرب دیے۔ حاصل ضرب ۴۴۵۵ ہوئے۔ اس کو مقسوم قرار دیے۔ بعد اس کے ۱۲ دانوں کو ۹۶ میں ضرب دیے حاصل ضرب ۱۱۵۲ ہوئے۔ اس کو مقسوم علیہ قرار دے کر عمل تقسیم جاری کیے۔ خارج قسمت ۳ چو حاصل ہوئے اور کسر باقی رہی ۹۹۹ پھر اس کو ۱۶ سولہ میں ضرب دیے حاصل ۱۵۹۸۴ ہوئے۔ پس حاصل مذکور کو مقسوم علیہ سابق پر تقسیم کیے۔ خارجِ قسمت ۱۳ تیرہ آنے چو کے ہوئے قدر ۱۰۰۸ کسر بچی۔ پھر اس کو ۱۶ سولہ میں ضرب دیے حاصل ضرب ۱۶۱۲۸ کو اسے مقسوم علیہ بانٹے خارج ۱۲ بارہ حصہ ہوئے صورت عمل یہ ہے۔

وزن	تعداد
رتی	دانہ

وزن: رتی

۹
×۹
۸۱
×۵۵
۴۰۵
۴۰۵
۴۴۵۵ مقسوم

مقسوم
مقسوم علیہ

۱۱۵۲) ۴۴۵۵ (۳
۳۴۵۶
۹۹۹
×۱۶
۵۹۹۴
۹۹۹
۱۱۲

۱۲
۹۶
۱۱۵۲ مقسوم علیہ

۵۹۹۴
۹۹۹

۱۱۵۲)۱۰۹۸۴(۱۳ آنہ
۱۱۵۲

۴۴۶۴
۳۴۵۶

۱۰۰۸
۱۶

۶۰۴۸
۱۰۰۸

۱۱۵۲)۱۶۱۲۸(۱۴ حصہ
۱۱۵۲

۴۶۰۸
۴۶۰۸

حاصل جواب ۳ چو ۔ ۱۳ ۔ آنہ ۔ ۱۴ حصہ

اور اگر موتیوں کے وزن میں رتیاں اور آنے بھی ہوں تو قاعدہ یہہ ہے کہ اول رتیوں کو ۱۶ سولہ میں ضرب دے کر حاصل پر آنے بڑھالیں بعد اس کے سب کو مربع کر پچپن میں ضرب دیں اور حاصل کو مقسوم مانیں اور تعداد موتیوں کو ۹۶ میں ضرب دے کر حاصل کو ۲۵۶ میں (۱۶) سولہ آنوں کے جذر کا ہے مجذور ضرب دئیں اور حاصل ضرب جو کچھ ہو اس کو مقسوم علیہ قرار دے کر عمل جاری کریں خارج بدستور چو نکلیں گے اور جو کسر باقی بچے اس کو یہ بھی بدستور ۱۶ میں ضرب دے کر تقسیم کرتے جائیں خارجِ قسمت آنے اور حصہ ہوں گے چنانچہ دس دانے ۵ رتی ۹ آنے وزن میں پہلے پانچ کو ۱۶ میں ضرب دیئے حاصل ضرب ۸۰ ہوئے ۔ اس پر ۹ نو بڑھائے ۸۹ ہوئے ۔ اس کو مربع کیے ۹۲۱، ۔ اس کو ۵۵ میں ضرب دینے سے ۵۶۵۵ ہوئے ۔ اس کو مقسوم قرار دیے ۔ بعد اس کے تعداد موتیوں کو جو ۱۰ ہے ۹۶ میں

ضرب دیے ۹۶۰ اس کو ۲۵۶ میں ضرب دیے ۲۴۵۷۶۰ ہوئے ۔ اس کو مقسوم علیہ قرار دے کر عمل تقسیم آخر تک جاری کیے جواب عمل یہہ ہے ۔

وزن: رتی آنہ تعداد دانہ موتی مقسوم علیہ مقسوم

۹

۱۰ × ۹۶ = ۹۶۰
۹۶۰ × ۲۵۶ = ۵۷۶۰ + ۴۸۰۰ + ۱۹۲۰ = ۲۴۵۷۶۰ (مقسوم علیہ)

۵ × ۱۶ = ۸۰
۸۰ × ۹ = ۸۹
۸۹ × ۸۹ = ۸۰۱
۸۰۱ × ۷۱۲ = ۷۹۲۱
۷۹۲۱ × ۵۵ = ۳۹۶۰۵
۳۹۶۰۵ × ۳۹۶۰۵ = ۴۳۵۶۵۵ (مقسوم)

۲۴۵۷۶۰) ۴۳۵۶۵۵ (۱ رتی جو
۲۴۵۵۷۶۰
۱۸۹۸۹۰
× ۱۶
۱۱۳۹۳۷۰
۱۸۹۸۹۵

۲۴۵۷۶۰) ۳۰۳۸۳۲۰ (۱۲ آنہ
۲۴۵۷۶۰
۸۸۰۷۲۰
۸۹۲۰۰
۱۶

خدا کی قدرت

سات دن کو تیس تاریخوں میں اول ضرب کر
ہو جو حاصل اس کو پھر دے ضرب بارہ ماہ پر
یہہ صحیح ایسی رقم میزان کی ہاتھ آئے گی
ایک سے دس تک جہاں بانٹو گے تم بٹ جائے گی
حضرت مولا نے اس گر کو بتائے ہیں ہمیں
قدرتِ اللہ کو یوں ہی دکھائے ہیں ہمیں

سات دن کو تیس تاریخ سے ضرب دیں = ۲۱۰ حاصلِ ضرب کو بارہ مہینے میں ضرب دو تو ۲۵۲۰ ہوئے۔

یہ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس جس سے ضرب دو صحیح تقسیم ہوتے ہیں۔

دیکھو خدا کی قدرت کو کہ سات دن کو تیس تاریخ میں ضرب دے کر پھر بارہ مہینے میں ضرب دینے سے ایسی رقم حاصل ضرب کی پیدا ہوئی کہ جس میں ایکائی سے دہائی تک سب عدد صحیح تقسیم ہوتے ہیں۔ پھر ایسی دوسری رقم کا ظہور میں آنا محال ہے۔ یہہ خدا کی حکمت ہے۔

دیگر

ایک سے سولہ عدد تک چار سطروں میں لکھو
راست سے جب راست سے پھر جب مسلسل سب بھرو
چار جا دیکھو جدا چونتیس ہی میزان ہے
دوسرے کو ہے بہت مشکل تمہیں آسان ہے
نقش یوں بھرتے ہوئے دیکھے ہزاروں طرز سے
پر کہاں ہیں اس طرح پر سلسلے کے ہندسے
جفت سطروں میں جہاں تک چاہو ہوگا یہ عمل
ایک ہی میزان سب سطروں کی ہوگی بے خلل

۴	۳	۲	۱
۵	۶	۷	۸
۱۲	۱۱	۱۰	۹
۱۳	۱۴	۱۵	۱۶
۳۴	۳۴	۳۴	۳۴

گُر تاریخ دن جنتری دوامی

جو ماہ الہی کے تاریخ دن — تجھے دیکھنا ہے تو اے ممتحن
عدد سال فصلی کے لکھ بے خطر — اسے سات عدد ہی سے تقسیم کر
عدد بعد تقسیم کے جو بچے — اسے اسکے نقشہ میں بس ڈھونڈلے
مقابل مہینے کے مل جائے گا — وہ تاریخ دن نیچے دکھلائے گا۔

یعنے جس سن کی تاریخ دیکھنا منظور ہو اس سن کے اعداد کو سات عدد سے تقسیم کرو

اور بعد تقسیم جو بچے اس عدد کو نقشہ (صفحہ نمبر پر دیکھو ۱۱۹/۱۲۰) اور ڈھونڈو اس مہینے کے مقابل کی سطر میں ۔ اس کے نیچے کی سطر میں تاریخ سے مطابق کرو ۔ اور پہچان لو ۔ ایک بار اگر تقسیم اوپر کے بیان کے مطابق تقسیم کر کے بچے ہوے عدد کو یاد رکھو گے ۔ ایک سال تک ہر مہینے کے تاریخ دن معلوم کرنے کے کام آئے گا ۔ پھر بار بار تقسیم کے عمل کا کام نہ پڑئے گا ۔ یہہ دوامی جنتری ہے ۔ ہر سال آئندہ بہ کار آمد ہے وگزشتہ سنوں کی تاریخ دن اسی قاعدے سے بہ حسب ضرورت نکال سکتے ہیں مثلاً ۱۲۹۶ کو ، سے تقسیم کیئے ۔ باقی رہا ایک اس ایک کے عدد کو جس مہینے کی تاریخ طلب ہے ۔ اس مہینے کے مقابل کی سطر میں دیکھو اور اس کے نیچے دن دیکھو اس کے سیدھے طرف تاریخ ہے ۔

عجب جنتری ہے کرامت ہے یہہ — نہیں خصر کچھ تا قیامت ہے یہ
ازل سے ابد تک کی تقویم ہے — ذرا سونچ گر تجھ کو تفہیم ہے
یہہ دریا ہے کہ کوزے میں سمایا ہوا — یہہ نقشہ ہے جس کا بنایا ہوا
وہ ہے ہنری وہاب میرا رفیق — کیا جس نے آسان یہہ کار دقیق

(ہنری وہاب راجہ باقیؔ کے ماتحت تھے)

گُر جنتری دوامی سال ہائے ہجری

جنتری ہجری کی دیکھو مہربان — اس کا بھی کرتا ہوں اب میں گُر بیان
پہلے ہجری کے عدد یک جا لکھو — کر کے دوسو دس سے قسمت چھوڑ دو
جو بچے تقسیم کر پھر تیس سے — کسراس کے جو ہے اس کو دیکھ لے
پہلے نقشہ میں عدد مل جائیں گے — حرف ابجد سطر میں دکھلائیں گے
دوسرے نقشے میں دیکھو حرف کو — اسی دن تاریخ ملتی ہے سنو
ایک دن کا فرق آئے گا کہیں — سمجھو اس نقشے میں کچھ غلطی نہیں
عادت ماہ ہلالی ہے یہی — اس کی تاریخیں نہیں قائم کبھی

جنتری کیا ہے تماشا ہوگیا بس قیامت تک کا گننا ہوگیا
یہہ دوامی قاعدہ ہے کام کا نقش ہے آغاز اور انجام کا

مثلاً تیرا سو چار کو دو سو دس سے تقسیم کرکے چھوڑ دیے رہے چوالیس۔ چوالیس کو تیس سے تقسیم کی حاصل آیا ایک اور باقی رہے چود (۱۴) حصول قسمت کے نیچے پہلے نقشے میں ایک کے عدد کے نیچے اور مقابل چودا کے جو سیدھے طرف سے ایک حرف ابجد کا یعنے دال مل جائے گا۔ اسی حرف دال (د) سے سن تیرا سو چار کے سال کے مہینوں کے تاریخ دن دیکھ سکتے ہیں۔ دوسرے نقشے میں موافق عمل نقشہ عیسوی کے حرفوں سے جو سات حرف ابجد اور ہوز کے واسطے نشان دہی کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اس لیے اعدد سے التباس نہ ہوجائے اور تمیز کیا جائے اور تاریخ دن ہر مہینے کے معلوم ہوجانے۔

(دیکھیے صفحات نمبر ۱۲۱
۱۲۲

گر جنتری دوامی سال ہائے عیسوی

عیسوی کا تاریخ دن جو مطلوب ہو — تم صدی اس سال کے ایک جا لکھو
اس کو پھر تقسیم کرلو چار سے — نقشہ اول میں دیکھو جو بچے
اس کے نیچے اور مقابل دیکھ لو — سن صدی اور حرف ابجد روبہ رو
بس وہی تاریخ دن بتلائے گا — قاعدہ ہجری کا یاں کام آئے گا
یہہ نئی ہے قاعدے کی جنتری — اور پرانی کے لیے ہے دوسری
سترا سو باون میں پائی ہے رواج — منحصر کار حساب اس پر ہے آج
انگریز صاحب اس کو انگریزی بنائے — ہم نے اس کا ترجمہ کر کر بتائے

نقشہ اول جنتری عیسوی (صفحہ نمبر ۱۲۳ و ۱۲۴ ملاحظہ ہو)

گُر جنتری دوامی عیسوی

مثلاً اب اٹھارہ سو چھیاسی ہے انیسویں صدی سمجھو اور انیس کو ایک جا لکھ کر اوپر کے بیان کے موافق چار کے عدد سے تقسیم کرو باقی رہے تین اس تین کو پہلے نقشہ کے باقی قسمت کے نیچے دیکھو اور اس کے نیچے اور مقابل سن چھیاسی کے جیم (ج) کا حرف معلوم ہوگا۔ اس جیم کو نقشہ دوم میں مقابل ماہ مطلوب کے ڈھونڈو اور اس کے نیچے کے خانے میں دن اور دست راست کی طرف مقابل ان دنوں کی تاریخیں معلوم ہوں گی۔ دو دو حرف جو کہ پہلے نقشے میں درج ہیں پہلے یعنے سیدھے طرف کا حرف جنوری اور فبروری کے مہینے کے واسطے مخصوص ہیں۔ کیونکہ اس سال میں فبروری کے مہینے میں کبیسی کا دن آتا ہے یعنے اس مہینے میں ایک دن زائد ہوتا ہے۔ حساب سے ہر چوتھے برس کو دوسرا حرف یعنے جو بائیں طرف درج ہے باقی دس مہینے اس سال کے اس حرف سے دیکھنا چاہیے۔ یہہ جنتری دوامی نئے قاعدے کی سال ہائے عیسوی ہے۔ (نقشہ صفحہ نمبر ۱۲۳ ملاحظہ ہو)

۱۲۴

قطعہ تاریخ خاتمہ

کیا خوب بنا ہے یہ رسالہ ہیں جس میں حساب سب سیاقی
ہاتف نے لکھی عجیب تاریخ تحقیقات سیاق باقی

۱۳۰۳ ہجری

مطابق (۱۸۸۶ء)

۱۵۶۰

یہ پہلا تقویم جنتری کا جو شاہ جہان پادشاہ ہندوستان کے عہد میں بعد ۴۲ تتمہ سن اکبر الٰہی جلوس
سن موافق ۴۸ سنہ ۱۰ الکوزار ۱ ماہ سن ہجری مطابق ۴۸ ۱۰ فصلی کے مہر ماہ اکبری آغاز سال کا حساب ایجاد ہوا

۳۰	مہر ماہ الٰہی	۵	۶	۰	۱	۲	۳	۴
۳۰	آبان ماہ الٰہی	۳	۴	۵	۶	۰	۱	۲
۲۹	آذر ماہ الٰہی	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۰
۲۹	دی ماہ الٰہی	۰	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۳۰	بہمن ماہ الٰہی	۶	۰	۱	۲ .	۲	۴	۵
۳۰	اسفندار ماہ الٰہی	۴	۵	۶	۰	۱	۲	۳
۳۱	فروردی	۲	۳	۴	۵	۶	۰	۱
۳۱	اردی بہشت	۶	۰	۱	۲	۳	۴	۵
۳۲	خورداد	۳	۴	۵	۶	۰	۱	۶
۳۱/۳۲	تیر ماہ الٰہی	۶	۰	۱	۲	۳	۴	۵
۳۱	امرداد ماہ الٰہی	۳	۴	۵	۶	۰	۱	۲
۳۱	شہریور ماہ الٰہی	۰	۱	۲	۳	۴	۵	۶

۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ
۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ
۴	۱۱	۱۸	۲۵	۳۲	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ
۵	۱۲	۱۹	۲۶	×	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ
۶	۱۳	۲۰	۲۷	×	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ
۷	۱۴	۲۰	۲۸	×	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ

دوسرا نقشہ جو سرکار نظام میں میر محبوب علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ کی عہد میں بسبب مروانی رعایت انکی فصل بہار کی موافق مہر ماہ الٰہی کے سنہ ۱۳۰۱ ای گوری میں سے ایک ہجری میں اور ماہ الٰہی سے آغاز سال فصلی کا تبدیل سے مؤثر تیار کیا گیا اور ۱۲۹۴ فصلی سے یہ حساب جاری ہے

۲۹	آذر ماہ الٰہی	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۰
۲۹	دی ماہ الٰہی	۰	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۳۰	بہمن ماہ الٰہی	۶	۰	۱	۲	۳	۴	۵
۳۰	اسفندار ماہ الٰہی	۴	۵	۶	۰	۱	۲	۳
۳۱	فروردی ماہ الٰہی	۲	۳	۴	۵	۶	۰	۱
۳۱	اردی بہشت ماہ الٰہی	۶	۰	۱	۲	۳	۴	۵
۳۲	خورداد ماہ الٰہی	۳	۴	۵	۶	۰	۱	۲
۳۱	تیر ماہ الٰہی	۶	۰	۱	۲	۳	۴	۵
۳۱	امرداد ماہ الٰہی	۳	۴	۵	۶	۰	۱	۲
۳۱	شہریور ماہ الٰہی	۰	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۳۰	مہر ماہ الٰہی	۴	۵	۶	۰	۱	۲	۳
۳۰	آبان ماہ الٰہی	۲	۳	۴	۵	۶	۰	۱

۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ
۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ
۴	۱۱	۱۸	۲۵	۳۲	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ
۵	۱۲	۱۹	۲۶	×	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ
۶	۱۳	۲۰	۲۷	×	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ
۷	۱۴	۲۱	۲۸	×	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ

پہلا نقشہ

سالہای قرن مجاریہ							حصول قسمت بر عدد سی ۳۰						
							۰	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۰	۵	۸	۱۲	۱۶	۲۱	۲۹	ا	و	د	ب	ز	ھ	ج
۱	x	۹	x	۱۷	۰	۲۵	ھ	ج	ا	و	د	ب	ز
۲	۶	۱۰	x	۱۸	x	۲۶	ب	ز	ھ	ج	ا	و	د
۳	x	۱۱	x	۱۹	۲۴	۲۷	ز	ھ	ج	ا	و	د	ب
۴	x	۱۲	x	۲۰	x	۲۸	د	ب	ز	ھ	ج	ا	و
x	۶	x	۱۴	x	۲۲	x	و	د	ب	ز	ھ	ج	ا
x	۷	x	۱۹	x	۲۳	x	ج	ا	و	د	ب	ز	ھ

دوسرا نقشہ

۳۰	محرم الحرام	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز
۲۹	صفر المظفر	و	ز	ا	ب	ج	د	ھ
۳۰	ربیع الاول	ھ	و	ز	۱۰	ب	ج	د
۲۹	ربیع الثانی	ج	د	ھ	و	ز	ا	ب
۳۰	جمادی الاول	ب	ج	د		و	ز	ا
۲۹	جمادی الثانی	ز	ا	ب	ج	د	ھ	و
۳۰	رجب المرجب	و	ز	ا	ب	ج	د	ھ
۲۹	شعبان المعظم	د	ھ	و	ز	ا	ب	ج
۳۰	رمضان	ج	د	ھ	و	ز	ا	ب
۲۹	شوال	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز
۳۰	ذیقعدہ	ز	ا	ب	ج	د	ھ	و
۲۹	ذیحجہ	ھ	و	ز	ا	ب	ج	د

۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ
۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ
۳	۱۰	۱۷	۲۴	*	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ
۴	۱۱	۱۸	۲۵	*	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ
۵	۱۲	۱۹	۲۶	*	جمعہ	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ
۶	۱۳	۲۰	۲۷	*	شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ
۷	۱۴	۲۱	۲۸	*	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمعہ	شنبہ

نقشه اول جنتری عیسویه

سالهای صدی مسجاریه				باقی از قسمت چهار ۱	۲	۳	۴
۱	۲۹	۵۷	۸۵	ز	ب	د	و
۲	۳۰	۵۸	۸۶	و	ا	ج	هه
۳	۳۱	۵۹	۸۷	هه	ز	ب	د
۴	۳۲	۶۰	۸۸	د ج	و هه	ا ز	ج ب
۵	۳۳	۶۱	۸۹	ب	و	د	ا
۶	۳۴	۶۲	۹۰	ا	ج	هه	ز
۷	۳۵	۶۳	۹۱	ز	ب	د	و
۸	۳۶	۶۴	۹۲	د هه	ا ز	ج ب	هه د
۹	۳۷	۶۵	۹۳	د	و	ا	ج
۱۰	۳۸	۶۶	۹۴	ج	هه	ز	ب
۱۱	۳۹	۶۷	۹۵	ب	د	و	ا
۱۲	۴۰	۶۸	۹۶	ا ز	ج ب	هه د	ز و
۱۳	۴۱	۶۹	۹۷	و	ا	ج	هه
۱۴	۴۲	۷۰	۹۸	هه	ز	ب	د
۱۵	۴۳	۷۱	۹۹	و	و	ا	ج
۱۶	۴۴	۷۲	۱۰۰	ج ب	هه د	ز و	ب ا
۱۷	۴۵	۷۳		ا	ج	هه	ز
۱۸	۴۶	۷۴	—	ز	ب	و	و
۱۹	۴۷	۷۵	—	و	ا	ج	هه
۲۰	۴۸	۷۶	—	هه و	ز و	ب ا	د ج
۲۱	۴۹	۷۷		ج	هه	ز	ب
۲۲	۵۰	۷۸	۱۰۰	ب	و	و	ا
۲۳	۵۱	۷۹	—	ا	ج	هه	ز
۲۴	۵۲	۸۰	—	ز و	ب ا	د ج	د هه
۲۵	۵۳	۸۱		هه	ز	ب	و
۲۶	۵۴	۸۲	—	د	و	ا	ج
۲۷	۵۵	۸۳	—	ج	هه	ز	ب
۲۸	۵۶	۸۴	—	ب ا	د ج	د هه	ا ز

نقشہ دوم جنتری عیسوی

۳۰	جنوری	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز
۲۸	فبروری	د	ھ	و	ز	ا	ب	ج
۳۱	مارچ	د	ھ	و	ز	ا	ب	ج
۳۰	اپریل	ز	ا	ب	ج	د	ھ	و
۳۱	مئی	ب	ج	د	ھ	و	ز	ا
۳۰	جون	ھ	و	ز	ا	ب	ج	د
۳۱	جولائی	ز	ا	ب	ج	د	ھ	و
۳۱	اگست	ج	د	ھ	و	ز	ا	ب
۳۰	ستمبر	و	ز	ا	ب	ج	د	ھ
۳۱	اکتوبر	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز
۳۰	نومبر	د	ھ	و	ذ	ا	ب	ج
۳۱	دسمبر	و	ز	ا	ب	ج	د	ھ

۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ
۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ
۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ
۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ
۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ	جمعہ
۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ	شنبہ
۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰	شنبہ	جمعہ	پنجشنبہ	چہارشنبہ	سہ شنبہ	دوشنبہ	یکشنبہ

کتابیات ۔ اردو

۱۔ خطوط و دعوت نامے بہ نام گردھاری پرشاد
۲۔ گردھاری پرشاد بخدمت میر محبوب علی خاں
۳۔ علما و شعراء کے خطوط بنسی راجہ کے نام

اخبارات

۱۔ روزنامہ سیاست جون ۱۹۵۷ء
۲۔ روز نامہ سیاست اگسٹ ۱۹۶۵ء
۳۔ روزنامہ سیاست اگسٹ ۱۹۶۷ء
۴۔ روز نامہ سیاست ڈسمبر ۱۹۸۵ء
۵۔ روز نامہ سیاست جنوری ۱۹۹۰ء

رسالہ جات

۱۔ مجلہ عثمانیہ مہاراجہ نمبر ۱۹۴۰ء
۲۔ رسالہ نورس غزل نمبر شمارہ ۶۵ ۱۹۵۸ء اکبرالدین صدیقی و تمکین کاظمی

کتب

۱۔ کالی داس گپتا رضا سہو و سراغ ۔ یونیورسل پریس ممبئ جنوری ۱۹۸۰ء
۲۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد گلشن شاد ۱۸۹۰ء
۳۔ راجہ نرسنگ راج عالی ارمغان محبوب ۱۸۳۱ء
۴۔ ایضاً جوش غم ۱۹۳۹ء
۵۔ ایضاً حضرت شاداب کہاں عالی ۱۹۴۰ء
۶۔ افسرالملک ۔ سوانح افسری نظام المطبع حیدر آباد ۱۹۰۱ء
۷۔ بشویشور پرشاد منور لمعات افق کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۴ء
۸۔ بھاسکر راج سکسینہ حیدرآباد کے بنسی راجہ اسپیڈ پرنٹس ۱۹۹۵ء
۹۔ سری پرشاد راجہ احقر آخرت باقی اصح المطبع لکھنو ۱۸۹۶ء

۱۰۔ سید محی الدین قادری زور (ڈاکٹر) مرقع سخن ادب جلد اول آعظم اسٹیم پریس حیدر آباد ۱۹۳۵ء

۱۱۔ سید محی الدین قادری زور (ڈاکٹر) مرقع سخن ادب جلد اول آعظم اسٹیم پریس حیدر آباد ۱۹۳۵ء

۱۲۔ سید محی الدین قادری زور (ڈاکٹر) داستان ادب طارق ترقی پریس حیدر آباد ۱۹۵۱ء

شیلاراج ڈاکٹر۔ مترجم توشہ عاقبت (اردو) ہندوستان پرنٹرس ممبئی ۱۹۸۴ء

۱۳۔ شیلاراج ڈاکٹر ۔ مترجم شاہی شادی ۔ سرور پرنٹنگ پریس حیدر آباد ۱۹۹۱ء

۱۴۔ مانک راو وٹھل راو بوستان آصفیہ جلد اول و دوم مطبع انوار اسلام حیدر آباد

۱۵۔ نرسنگ راج عالی راجہ۔ درد باقی درد ساقی سردار پریس، حیدر آباد ۱۹۲۲ء

۱۶۔ نرہرراج ساقی گلہائے صد رنگ انجمن ترقی اردو کریم نگر ۱۹۶۴ء

۱۷۔ عابد انصاری مترجم باغ رزاق اعجاز پرنٹنگ پریس حیدر آباد ۱۹۸۳ء

۱۸۔ عبدالحی محمد مملکت آصفیہ جلد اول و دوم ناشر ادارہ محبان دکن کراچی (پاکستان) ۱۹۷۸ء

۱۹۔ عسکری مرزا محمد (مترجم) تاریخ ادب اردو ناشر خاتون مشرق اردو بازار دہلی بار اول ۱۹۶۶ء

۲۰۔ غلام صمدانی خاں گوہر تزک محبوبہ جلد اول و دوم فخر نظامی پریس حیدر آباد

۲۱۔ ہاشمی نصیر الدین دکنی ہندو اور اردو طابع سپر پرنٹرز دہلی مارچ ۱۹۸۴ء

۲۲۔ ہاشمی نصیرالدین دکن میں اردو نسیم بک ڈپو لکھنو ۱۹۶۲ء

۲۳۔ ہاشمی نصیر الدین شہر حیدر آباد عہد قطب شاہی، آصفیہ اور دور حاضر کے تمدن آثار ثقافت ناشر ادبی ٹرسٹ حیدر آباد ۱۹۷۸ء

۲۴۔ دوارکا پرشاد افق دیباچہ دیوان بقائے باقی مطبع نظم اخبار موسومہ لکھنو پریس ۱۸۹۰ء

۲۵۔ حبیب الرحمن صابری مفتاح القیوم ترقی اردو بورڈ دہلی

۲۸۔ صابر توکلی شاہین پیچ و خم مطبوعہ نظام پریس حیدر آباد ۱۹۶۴ء

فارسی

۱۔ انبا پرشاد حکم دیوان حکم مطبع نظم اخبار موسومہ لکھنو پریس لکھنو ۱۸۹۱ء

۲۔ بجولال تمکین دیوان نگارستان مطبع مرغوب دکن حیدر آباد ۱۸۸۴ء

۳۔ دوارکا پرشاد افق حیات باقی منظوم مطبع نظم اخبار موسومہ لکھنو پریس لکھنو ۱۸۹۰ء

News Papers

English :

(1) Deccan Chronicle October 1981

(2) Indian Express September 1986

Confidential papers relating to Hyderabad

(Hyderabad Residency Records)

1 Leonard Karen Isaksew - Social History of an Indian Caste. The Kayesths of Hyderabad, London, University of California 1978

2 L-Prasad - Evolution of Indian Culture. Jainsons Printers Agra 1992.

3 L-Prasad - History of India, Rashtriya Art Printers Agra - 1992

4 Saksena - Ram Babu, A History of Urdu Literature Ram Narain Lal Allahabad 1927

5 Raj Sheela Dr. Medivalism to Modernism, Popular prakashan, Bombay 1987

6 Raj Sheela Dr. Protrait of an Era - Minerva Press, London - 1996

7 Atrey B.L Prof. The Philosphy of Yoge Vasisht, Theosophical Society - Madras 1935

8 Narendra Luther, The Prophet of India, The Hindu, August 1997.

مصنف

نام : بھاسکر راج سکسینہ

پیدائش یکم اگست ۱۹۳۵ء حیدرآباد۔ اے پی

تعلیم : بی۔ وی۔ ایس سی۔ ایل ایل بی عثمانیہ یونیورسٹی

پوسٹ گریجویٹ ان مارکٹنگ مانجمنٹ بمبئی یونیورسٹی

پیشہ : مارکٹنگ مینیجر (ریٹارڈ)

فاکلٹی ممبر و وایس پرنسپل آل انڈیا انسٹیٹوٹ آف مارکیٹنگ مانجمنٹ دہلی (حیدرآباد چاپٹر)

فاکلٹی ممبر بھارتیہ ودیا بھون حیدرآباد

مصروفیات ، مطالعہ ، ہندو فلسفہ ، سائینس، منیجمنٹ اور تاریخ و تمدن

سفر : بھارت کے سب ہی راجیوں سوائے کشمیر اور اروناچل پردیش

بیرونی ممالک : انگلستان ، فرانس ، اسپن ، سوئیزرلینڈ ، سری لنکا و مال دیوز

روز نامہ سیاست میں تقریباً کئی سال تک مضامین لکھے۔

دکشھن سماچار (ہندی ویکلی) میں مضامین لکھتے ہیں۔

انگریزی اخبارات The Hindu and Indian Express میں مضامین شائع کیئے۔

آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے نورنگ پروگرام میں سائینس و ادب پر تقاریر کرتے ہیں۔

تصانیف

(۱) حیدرآباد کے بنسی راجہ (اردو)

(۲) بھگت کوی گرد ھاری (ہندی)